بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد گار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۴۲ شمارہ ۳

مارچ ۲۰۱۸ء

جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشــــــــــمــــــــــولات

اداریــــــــــہ	جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا عرس	مبارک حسین مصباحی	۳

تحقیقات

علمی تحقیق	علوم اسلامی میں قابل اشاعت تحقیقی مقالے (تیسری قسط)	خورشید احمد سعیدی	۱۲

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۶

نظریات

فکــــر امروز	مسجد کا تبادلہ یا اس کی منتقلی نہیں ہو سکتی	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۸

اسلامیات

اسلامی معاشرت	اسلام میں مشورے کی اہمیت وافادیت	غلام ربانی شرف نظامی	۲۵
شعاعیں	مجھے ہے حکم اذاں	حافظ محمد ہاشم قادری	۲۸

چشتیات

تذکرہ	ہندوستان کی چند عظیم چشتی خانقاہیں	مولانا محمد عابد چشتی	۳۱

بزم دانش

فکر ونــــظر	شب براءت میں کیا پڑھیں، نوافل یا قضاے عمری؟	مفتی محمد ناصر حسین مصباحی/مولانا محمد اختر علی واجد القادری	۳۹

ادبیات

نــقــد ونــظــر	تاجدار کربلا اور تاریخ خلافت	تبصرہ نگار: محمد طفیل احمد مصباحی	۴۲
خیابانِ حــرم	مناقب	سید محمد نور الحسن نور نوابی/زماں امجدی قادری	۴۴

وفیات

سفر آخرت	آہ! حضرت مولانا مفتی قاری محمد نور الحق مصباحی/فن تجوید وقراءت کا ایک اور ستارہ غروب ہو گیا		۴۵

مکتوبات

صداے باز گشت	محمد عرفان قادری/محمد علی قاضی/توصیف رضا مصباحی		۵۰

سرگرمیاں

رودادِ چمن	جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مسابقہ تجوید وقراءت		۵۲
سر گرمیاں	پورٹ بلیئر جزائر انڈمان نکوبار میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کا عرس/لال چوک مبارک پور میں جشن میلاد النبی ﷺ/ سرزمین آمیر، جے پور میں عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ/عرس چہلم حضرت حافظ عنایت رسول/تنظیم حسان رسول مشن پرانی بستی لال کنواں کے زیر اہتمام عظیم الشان نعتیہ پروگرام		۵۳

اداریہ

جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا عرس

۵۹۰ فارغین اور دیگر علمی اور روحانی مناظر

مبارک حسین مصباحی

حضور حافظِ ملت جلالۃ العلم علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی قدس سرہ العزیز اپنے عہد کی ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھی۔ آپ کی ولادت قصبہ بھوج پور ضلع مراد آباد میں ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں ہوئی اور وصال قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں ہوا۔ علمی میدانوں میں آپ کے کارنامے تو کسی حد تک دنیا جانتی ہے اور جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھے گا مزید پرتیں ہٹیں گی۔ ان کے علوم وفنون کے تابندہ ستارے آنکھوں کو خیرہ کریں گے۔ ہم یہاں بتانا یہ چاہتے ہیں کہ حضور حافظ ملت نے علوم کے ہفت آسماں تو بعد میں طے فرمائے، آپ نے اپنے والدین کریمین کے زیر سایہ عمل کی دنیا کا سفر بہت پہلے شروع فرمادیا تھا، پیر کے دن ولادت کی خوشی میں ایک خاتون نے کہا، پیرا آیا ہے۔ داداجان نے فرمایا: نہیں، ہم اپنے نورِ نظر کا نام نام شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نام پر عبد العزیز رکھتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ نورِ نظر داداجان کی آرزو کے مطابق محدث مراد آبادی اور محدث مبارک پوری کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ قصبہ بھوج پور سے مراد آباد تک پاپیادہ تشریف لے جاتے اور ایک قرآن عظیم مکمل ختم فرمالیتے۔ یہ فاصلہ آج ۲۱ر کلومیٹر ہے، ہوسکتا ہے پیدل کا راستہ اور بھی کم ہو، آپ نے حافظ قرآن ہونے کے دور سے نمازِ تہجد شروع فرمادی، نیک نیتی، اخلاصِ عمل اور تقویٰ شعاری آپ کے معمولات میں شامل تھے، تلامذہ، مریدین اور دیگر ملاقاتیوں کو اتنا نوازتے کہ ہر ایک یہی سمجھتا کہ حضرت سب سے زیادہ ہمیں ہی چاہتے ہیں۔ یہ اخلاق ہی کا کمال نہیں بلکہ آپ کے تدبر اور حکیمانہ بصیرت کا بھی امتیاز تھا، ورنہ عام طور پر ایک باپ بھی اپنی اولاد کے درمیان یکساں محبت کرنے میں مشکوک ہوجاتا ہے۔

حضرت حافظ ملت نمازوں کے شدید پابند تھے، اوراد و وظائف اور رشد و ہدایت میں بھی ان کا عمل بہت وسیع تھا، تلاوتِ قرآن عظیم کی پابندی ان کا ایک خاص انداز تھا، خدمتِ خلق، غریبوں کی غم خواری اور طالبانِ علومِ نبویہ سے بے حد ہمدردی ان کی زندگی کا ایک لازمی حصہ تھا، طلبہ داخلہ لینے کے لیے آتے، اپنے یہاں گنجائش نہ ہونے کی بنا پر واپس فرماتے، وہ منظر بھی بڑا دردناک ہوتا، داخل نہ ہونے والے طلبہ کو اچھا مشورہ دیتے، اگر کسی کے پاس روپے ختم ہوجاتے تو اپنی جیب سے اس کی مدد فرماتے، بلکہ بعض طلبہ کو مسلسل اپنے تعاون سے نوازتے رہتے، ایسی تو بہت مثالیں ہیں جنھیں آپ مقررہ اوقات میں کچھ عطا فرماتے، یہ تمام راز اس وقت منکشف ہوئے جب آپ کا وصال پر ملال ہوا۔ علوم وفنون میں کمال حاصل کرنا تو یقیناً بڑی بات ہے، مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے علوم پر عمل پیرا ہو، اگر انسان کے پاس علم ہو، مگر عمل نہ ہو تو اس کا علم اس کے لیے وبالِ جان ہوجاتا ہے۔ علم کے ساتھ عمل کی بڑی اہمیت ہے، عمل میں حق گوئی اور صداقت شعاری، آپ کا امتیازی وصف تھا، بڑوں کا ادب، دوستوں سے محبت اور اپنے چھوٹوں پر شفقت کرنا، اگر یہ تمام چیزیں انسان کے اندر نہیں ہیں تو انسان کو خم خانۂ تصوف میں خدا کا بندہ کہنا اور رسولِ ہاشمی ﷺ کا سچا امتی کہنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ حضور حافظِ ملت ایک کامل مسلمان، باعمل عالم ربانی اور اپنے عہد کے ولیِ کامل تھے۔ غیبت اور چغل خوری، دوسروں کی اذیت رسانی، اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دینا، کسی بھی معاملے میں ناحق شناسی، ظلم وجفا کی روش اختیار کرنا، عدل و انصاف کو ترک کرنا، ان اوصافِ قبیحہ سے آپ ہمیشہ اجتناب فرماتے بلکہ ان باطل تصورات سے دوسروں کو باز رکھنے کے لیے تحریر وتقریر سے کوشاں بھی رہتے۔

حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ اجمیر مقدس میں زیرِ تعلیم تھے تو آپ شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت سید علی حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ کے دست اقدس پر سلسلۂ قادریہ معمریہ میں بیعت ہوئے، اور اس کے بعد حافظِ ملت اپنے انھیں مرشدِ طریقت کی زیر سرپرستی چلنے والے ادارے میں بحیثیت صدر المدرسین تشریف لائے تو حضور اشرفی میاں کچھوچھوی نے آپ کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ دوسری خلافت آپ کو آپ

کے استاذِ گرامی حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز نے عطا فرمائی، اس طرح حافظ ملت قدس سرہ العزیز قادری، چشتی اور دیگر سلاسل کا خوب صورت سنگم بن گئے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ لوگوں کو اپنے دستِ مبارک پر بیعت کریں، آپ ہمیشہ مختلف بزرگوں کے اسمائے گرامی پیش فرماتے، اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں، مگر جب طالبانِ حق آپ ہی سے مرید ہونے کے لیے بے چین ہوتے تو مرید بھی کر لیتے، اس طرح ملک بھر میں آپ کے مریدین و متوسلین پھیلے ہوئے ہیں۔ صرف ملک ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی آپ کے مریدین پائے جاتے ہیں۔ آپ کے تلامذہ اور آپ کے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فارغین محسوس دنیا کے متعدّد ممالک میں پائے جاتے ہیں جو دین و دانش اور تصوف و شریعت کے مختلف میدانوں میں دین و سنت کی یادگار اور تاریخ ساز خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ہم اس موقع پر مبارک بادیوں کے گل دستے پیش کرتے ہیں شہزادۂ حافظ ملت اور سجادہ نشین عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ عزیزی سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کو جنھوں نے اپنے والد ماجد کی روحانیت کا وارث بن کر نہ صرف ان کے مشن کو باقی رکھا بلکہ اپنی مسلسل کوششوں سے کہیں زیادہ آگے بڑھایا، آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی. ایس. سی. اور انجینئرنگ کی تکمیل فرمائی اور اس کے بعد جامعہ اشرفیہ سے سند فضیلت حاصل فرمائی۔ یہ آپ کی خوش بختی ہے کہ حضور حافظ ملت نے اپنے وصال سے قبل آپ کو بخاری شریف پڑھائی۔ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے جدید و قدیم علوم و فنون کی روشنی میں جامعہ اشرفیہ کی بے لوث خدمات انجام دیں۔ آپ اپنے کردار و عمل اور اخلاق و تقویٰ میں حضور حافظ ملت کے سچے جانشین اور وارث ہیں۔ نظم و نسق پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ جامعہ کے تعلیمی اور تعمیری مشن سے گہری وابستگی رکھتے ہیں، ملک اور بیرون ملک آپ کے مریدین و متوسلین کی بھی کثیر تعداد ہے۔ آپ کے خلفائے کرام کی بھی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایۂ کرم کو جامعہ اشرفیہ پر تادیر سلامت رکھے اور آپ کا روحانی فیضان ہند اور بیرون ہند کے مسلمانوں پر دراز فرمائے۔ آمین۔

حضور حافظِ ملت کا ۴۳/واں عرسِ مقدس:

۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ /۱۷/ فروری ۲۰۱۸ء کو نمازِ فجر کے بعد خانقاہ عزیزیہ میں جلالۃ العلم حضور حافظ ملت محدث مرادآبادی قدس سرہ العزیز کے عرس کا آغاز ہوا۔ چند گھنٹے کی قرآن خوانی کے بعد باضابطہ فاتحہ خوانی کا اہتمام ہوا۔ تقریر و نعت کے بعد جانشین حافظ ملت حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ عزیزی سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، سجادہ نشین خانقاہ عزیزیہ نے شجرہ خوانی فرمائی اور اس کے بعد سامنے رکھے ہوئے تبرک پر فاتحہ خوانی فرمائی اور دیر تک ایصالِ ثواب فرمایا اور ملک و ملت کے مسلم مسائل کے لیے رقت انگیز دعا فرمائی۔ اس مجلس میں کثیر تعداد میں مقامی و بیرونی شیدائی اور مریدین شریک ہوتے ہیں، آخر میں انجمن غوثیہ پرانی بستی اور دیگر اہلِ عقیدت نے حاضرین کے درمیان حلوہ تقسیم فرمایا۔

ظہر کی نماز کے بعد حسبِ روایت خانقاہ عزیزیہ سے حضور حافظ ملت کے مزار شریف تک چادروں کا جلوس نکلتا ہے، اس کی قیادت حضرت صاحبِ سجادہ فرماتے ہیں، یہ جلوس چادر سب سے بڑا ہوتا ہے، اس میں بڑی تعداد میں مبارک پور کی انجمنیں چادریں پڑھتی ہیں۔ یہ حسبِ سابق مبارک پور کی شاہ راہوں سے گزرتا ہوا حضور حافظ ملت کے مزارِ اقدس تک پہنچتا ہے اور وہاں پہنچ کر نمازِ عصر ادا کی جاتی ہے اور اس کے بعد وجد و کیف میں سرشار ہجوم مزارِ اقدس پر حاضر ہوتا ہے اور قل شریف کے بعد حضرت صاحبِ سجادہ کی دعا خوانی ہوتی ہے۔ اسی طرح یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ /۱۸/ فروری ۲۰۱۸ء کو بھی نکلتا ہے۔ دوسرے دن میں جلوس چادر پہلے دن سے بڑا اور زیادہ جوش و خروش سے نکلتا ہے۔ اس جلوس کے علاوہ پورے مبارک پور اور قرب و جوار سے چادروں کے جلوس مسلسل آتے رہتے ہیں۔

۱۷/ فروری ۲۰۱۸ء عشا کی نماز کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ کی وسیع جلسہ گاہ میں اجلاسِ عام ہوا۔ تلاوتِ کلامِ ربانی سے اجلاس کا آغاز ہوا، نعتوں اور منقبتوں کا سلسلہ بھی خطابات کے درمیان جاری رہا۔ اہم خطابات میں خلیفہ عزیز ملت عالی جناب وقار احمد عزیزی، بھیونڈی، خطیبِ اہلِ سنت حضرت مولانا سید نور الدین اصدق مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سابق استاذ حضرت مولانا مقبول احمد سالک مصباحی بانی و مہتمم دار العلوم خواجہ بختیار کاکی، دہلی کا خطاب ہوا۔ اسی درمیان جامعہ اشرفیہ کے سابق صدر المدرسین صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مائک پر تشریف لائے، آپ نے مختصر انداز سے فرزندانِ اشرفیہ کی قلمی خدمات پر روشنی ڈالی اور چند اہم کتابوں کی رسم رونمائی فرمائی:

فتاویٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، یہ پانچویں ضخیم جلد تھی، یہ فتاویٰ شارحِ بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے

ہیں۔ **سال نامہ باغ فردوس** مبارک پور کا خصوصی شمارہ "مجتہدینِ اسلام" جلد ۲، صفحات: ۵۰۴۔ اس میں تابعین مجتہدین و اہلِ فتویٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال ہیں، اور خاص بات یہ ہے کہ ان تذکار کے قلم کار سب جامعہ اشرفیہ کے طلبہ ہیں۔ **آئینۂ حافظ ملت** اس اہم کتاب کو مرتب فرمایا ہے پیرِ طریقت حضرت علامہ شاہ محمد رکن الدین اصدق مصباحی۔ **نیپال میں اسلامی تاریخ** اس کے مصنف ہیں حضرت مولانا قاری محمد رضا مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ۔ حضور حافظ ملت کی **معارف حدیث، انباء الغیب۔ البرہان فی علامات مہدی فی آخر الزمان**، از: علاء الدین چشتی قادری، ترجمہ: محمد اظہار النبی حسینی مصباحی۔ **حیاتِ حضرت مفتی محمد کلیم الدین قادری نیپالی** بنام حیاتِ محدث اعظم نیپال، از: مولانا محمد علاء الدین امن رضوی، ان کے علاوہ دس کتابیں تھیں امسال فارغ ہونے والے طلبہ کی، ان کے علاوہ بھی کچھ اہم کتابیں تھیں۔

مرشد طریقت حضرت علامہ سید شاہ محمد رکن الدین اصدق مصباحی دامت برکاتہم العالیہ، آپ نے خطاب کے بجائے اپنی تازہ ترین تصنیف "آئینۂ حافظِ ملت" کے چند منتخب اقتباسات پڑھ کر سنائے، اقتباسات سے سامعین میں حضور حافظ ملت کی تقویٰ شعاری کے تعلق سے عقیدتوں میں مزید اضافہ ہوا۔ مناظر اہلِ سنت، فکر و نظر کی معروف شخصیت حضرت مفتی عبد المنان کلیمی فاضل اشرفیہ کا خطاب ہوا۔ آپ نے اپنے خطاب میں حضور حافظ ملت کی تقویٰ شعاری اور تعمیری خدمات کا ذکر خیر فرمایا اور اسی کے ساتھ آپ نے دار العلوم اشرفیہ اور جامعہ اشرفیہ کی تعمیر و ترقی میں اہلِ مبارک پور کی زریں خدمات اور بے لوث ایثار و قربانی کا تذکرہ فرمایا اور انھیں بے شمار مبارک بادیاں پیش فرمائیں۔

اخیر میں صاحبِ سجادہ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کو مدعو کیا گیا، آپ نے انتہائی سنجیدگی سے ملک اور بیرون ممالک سے تشریف لانے والے زائرین کا شکریہ ادا فرمایا، آپ نے بڑی جامعیت کے ساتھ الجامعۃ الاشرفیہ کی مختلف شعبوں میں علمی اور تحقیقی خدمات کا ذکر فرمایا اور بڑی عقیدت کے ساتھ والدِ گرامی وقار حضور حافظِ ملت نور اللہ مرقدہ کا ذکرِ خیر فرماتے ہوئے ان کی روحانیت پر روشنی ڈالی، صلاۃ و سلام کے بعد حضرت نے بڑی رقت خیز دعا فرمائی۔

دوسرے دن کا اجلاس:

۱۸ر فروری ۲۰۱۸ء کو دوسرے دن کا اجلاس قرآن مقدس کی تلاوت سے شروع ہوا، دونوں دن نظامت کے فرائض حضرت مولانا قیصر اعظمی اور مولانا زاہد رضا اعظمی نے بحسن و خوبی ادا فرمائے۔ تلاوت کے بعد مختلف اوقات میں مولوی اشتیاق احمد نیپالی، مولانا سلیمان مصباحی استاذ دار العلوم انجمن اسلامیہ پڈرونہ، مولانا محمد عارف رضا، محترم انوار احمد مدھوبن، مولانا ضیاء المصطفیٰ، شاعر اہلِ سنت حضرت قاری نور الہدیٰ مصباحی نمائندہ روز نامہ راشٹریہ سہارا گورکھ پور، معروف نعت خواں مولانا عبد الوکیل مصباحی چھپراوی نے بڑی عشق انگیز اور روح افزا نعتیں اور منقبتیں پیش کیں۔ اپنے اپنے اوقات میں اسٹیج سے سامعین تک عشق و عرفان کا سماں پیدا کر دیا۔

خطبا اور مقررین حضرات میں مولانا شوکت رضا نعمانی، مولانا رحمت اللہ مصباحی، مولانا احسان رضا، مولانا شکیل احمد، جامعہ عربیہ سلطان پور کے جید استاذ حضرت مفتی منظور احمد عزیزی، خلیفۂ عزیز ملت حضرت مولانا حافظ اللہ بخش مد ظلہ العالی باسنی، ضلع ناگور شریف، حضرت مولانا یوسف رضا بھیونڈی، مفکرِ ملت حضرت مولانا فروغ القادری انگلینڈ نے بڑے ولولہ انگیز اور فکر انگیز خطابات فرمائے۔

ان حضرات کے بعد جامعہ کے صدر المدرسین سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی دامت برکاتہم العالیہ نے فقہی سوالات کے جوابات عنایت فرمائے۔ اس دوران پورا مجمع سراپا شوق بنا ہوا تھا، حضرت کے فقہی جوابات سے سامعین کی معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کے علمی اور روحانی سایۂ کرم کی عمر دراز فرمائے۔ آمین۔

قل شریف کی روحانی مجلس:

اب عرس عزیزی کا سب سے روحانی وقت ہو گیا، متعدد نام ور قرائے کرام جلوہ گر ہوئے اور تلاوت قرآن عظیم سے عرس کی پوری فضا کو عرفانی کر دیا۔ ہر طرف سکوت چھا گیا، جو جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا، کتنے اللہ کے نیک بندے تھے جنھیں بیٹھنے کی بھی جگہ نہ مل سکی۔ عام طور پر مریدین و متوسلین تصورِ شیخ میں ڈوب گئے، تصورات کی نگاہوں کے محور شیخ طریقت حضور حافظ ملت کی روحانی ذات تھی، تلاوت کے بعد اب صاحبِ سجادہ حضور عزیز ملت نے شجرہ خوانی شروع فرما دی، پورا مجمع آمین آمین کی پر اسرار گونج میں نہا گیا۔ شجرۂ قادریہ کا پہلا شعر ہے۔

یاالٰہی رحم فرما مصطفی کے واسطے یارسول اللہ کرم کیجے خدا کے واسطے

پڑھتے پڑھتے جب حضرت صاحبِ سجادہ اس شعر پر پہنچے تو سامعین پر ایک رقت خیز سراسیمگی اتر گئی اور خاص اس شعر کو آپ نے تین بار دوہرایا۔

بخش دے جرم و خطا اور فضل فرما دائما حافظ ملت عزیز الاولیا کے واسطے

سامعین عشق کے خمار میں غرقاب ہوگئے، کثیر حضرات کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے، اس کے بعد حضرت نے دل و دماغ کو سکون بخشنے والی دعا شروع فرمائی، آپ نے ملک و ملت کے حالات کو اپنے میزان پر لانے کے لیے بھی دعا فرمائی، بارگاہِ حضور حافظِ ملت میں تمام حاضرین کی مقبولیت کی دعا بھی فرمائی۔

حافظِ ملت ایوارڈ کی تقریب:

نبیرۂ حافظِ ملت حضرت نعیمِ ملت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور مائک پر تشریف لائے، آپ نے تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کا مختصر تعارف پیش فرمایا اور امسال دو جلیل القدر شخصیات کو ایوارڈ دینے کا اعلان فرمایا۔ پہلا نام تھا صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ کا، ان کے لیے حافظ ملت ایوارڈ کا سپاس نامہ پڑھ کر سنایا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نام ور استاذ حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی نے جب کہ دوسرا ایوارڈ تھا نام ور فاضلِ اشرفیہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی مبارک پوری دامت برکاتہم العالیہ رکن مجلسِ شوریٰ جامعہ اشرفیہ کا، ان کے لیے سپاس نامہ پڑھ کر سنایا راقم سطور مبارک حسین مصباحی نے۔ یہ دونوں سپاس نامے تنظیم ابنائے اشرفیہ کے صدر باوقار جانشین حافظِ ملت حضرت صاحبِ سجادہ کی جانب سے جاری کیے گئے۔ ایوارڈ میں ہر سال حضور حافظِ ملت کے روضۂ اقدس کا خوب صورت ماڈل بھی پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں سپاس نامے آپ اسی شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اعزازی ممبران اور معاونین:

حضرت صاحبِ سجادہ مائک پر آئے اور آپ نے اپنے بزرگانہ لب و لہجے میں جامعہ اشرفیہ کی خدمات کا ذکر فرمایا اور زائرین و حاضرین کو زیادہ سے زیادہ تعاون کرنے کی اپیل فرمائی۔ آپ نے اس وقت بھی چند معاونین کے اسمائے گرامی پیش فرمائے۔ اعزازی ممبران تیار کرنے والوں میں خلیفۂ عزیزِ ملت حضرت مولانا قاری محمد اسلام اللہ عزیزی کا اسمِ گرامی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں اور عرصۂ دراز سے ممبئی کی سرزمین پر رہتے ہیں، وہاں آپ کے کثیر تعداد میں مریدین و متوسلین بھی ہیں۔ اس بار آپ نے ۷۳؍ اعزازی ممبران پیش کیے، ان کے بعد حضرت نے مبارک پور کے ایک نام ور فرد فرید عالی جناب الحاج اسرار الحسن مبارک پوری رکن جامعہ اشرفیہ کا نام پیش فرمایا، انھوں نے ۱۸؍ اعزازی ممبران پیش کیے، حضرت عزیزِ ملت نے انھیں بھی خوب دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ دیگر اعزازی ممبران کی تعداد ۲۷؍ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے خصوصی فضل و کرم سے شاد کام فرمائے

سلسلہ عالیہ قادریہ عزیزیہ کی خلافتیں:

پیر طریقت حضور عزیزِ ملت دام ظلہ العالی نے حضرت مولانا حافظ اللہ بخش، باسنی، ناگور، ان کے سر پر شیخ طریقت نے اپنا عمامہ شریف باندھا، مفتی محمد معراج القادری استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا مفتی نسیم احمد مصباحی، استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ کو سلسلہ عالیہ قادریہ عزیزیہ کی خلافتیں عطا فرمائیں۔ اس روحانی منظر نے سارے ناظرین اور سامعین کو بے پناہ مسرت و شادمانی عطا فرمائی۔

دو اہم خطابات:

حضرت مولانا عبید اللہ خان اعظمی نے اپنے خطاب کا موضوع " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ "کو بنایا۔ اس موضوع پر آپ نے حضور حافظِ ملت کی زندگی کے احوال و کوائف پر بڑی حد تک روشنی ڈالی اور اسلام کے وہ تمام مسائل جو آج ہندوستان میں موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں، ان پر بڑی حد تک خطاب فرمایا۔ ایک مسئلہ ان میں تین طلاق کا بھی تھا۔ آپ

نے اس موضوع پر حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرمایا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کرتے اور انھیں مارکیٹ میں لاکر فروخت کرتے، یہی ان کا حلال ذریعۂ معاش تھا، ایک دن لکڑیاں وزنی ہوگئیں، آپ نے اس موقع پر فرمایا: اے لوگو! میری مدد کرو، زبانِ مبارک سے یہ کلمہ نکلا اور جنگل کا درندہ دہاڑا اور شیر ببر نے آکر آپ کے قدموں کو چومنا شروع کر دیا۔ آپ نے ان لکڑیوں کا گٹھر اس کی پشت پر باندھا اور اس پر سوار ہوکر اپنے گھر کی جانب چلنے لگے، دوسری طرف ان کے گھر پر چند لوگ آپ سے مرید ہونے کے لیے آئے، انھوں نے آواز دی، گھر میں سے بیوی کی آواز آئی کہ کون لوگ ہو اور کیوں آئے ہو، انھوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ ہم حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی سے ملنے اور مرید ہونے کے لیے آئے ہیں۔ بیوی نے کہا، ارے بڑے عجیب لوگ ہیں آپ، ابوالحسن خرقانی بہت بڑا مکار اور جھوٹا ہے، اس نے بہت سی گالیاں دیں، لوگوں نے سن کر ان کا شکریہ ادا کیا اچھا ہوا آپ نے بتا دیا، ہم تو لٹنے سے بچ گئے، ورنہ ہم تو تباہ و برباد ہو جاتے، یہ لوگ ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسی جنگل کے راستے سے واپس ہو رہے تھے، اب جب انھوں نے دیکھا ایک شخص جنگل کے شیر پر سوار ہوکر آرہا ہے، یہ سب دیکھ کر بھاگے۔ حضرت نے انھیں آواز دی، اے رہروانِ منزل! سنو، واپس آو۔ دنیا کا کون انسان ہے جو اپنی منزل دیکھ کر واپس جائے، میں ہی ہوں ابوالحسن خرقانی۔

اب یہ لوگ واپس آئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا، میں خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ ہمارے گھر سے مل کر واپس آرہے ہو، اب یہ بتاؤ کہ کیا اس عورت کو طلاق دینا چاہیے یا نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور آپ دینے کی بات کر رہے ہیں، ارے کب کی طلاق دے دینا چاہیے تھی۔ آپ نے فرمایا بلا شبہہ مجھے طلاق دے دینا چاہیے تھی مگر میرے سامنے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ پاک ہے کہ طلاق انتہائی مجبوری کی حالت میں جائز تو ہے مگر تمام جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ بس اسی لیے میں طلاق نہیں دیتا۔ میں جانتا ہوں کہ میری بیوی مجھے گالیاں دیتی ہے، مگر مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہے۔ اس خوشنودی کا نتیجہ ہے کہ جنگل کا شیر میرے اشارے پر اپنی پشت پر مجھے سوار کرکے لے جارہا ہے۔

آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا: وہ ایک کامل مرشدِ طریقت تھے۔ ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے آج بھی چند پیرانِ طریقت ہیں۔ افسوس صد افسوس! آج ایک بڑا طبقہ پیر کے بجائے پیَر ہوگیا ہے۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا: کیا بات تھی میرے حافظِ ملت کی، آپ فرماتے تھے، آج کل بعض پیر پیَر ہوگئے، مُرید مَرید ہوگئے ہیں اور خانقاہیں خانخاہیں ہوگئی ہیں۔ واہ میرے حافظ ملت! آپ ایک ایک جملے میں سمندر بھر دیتے تھے۔

آپ نے اس کے بعد مسلمانوں سے ارشاد فرمایا: آپ لوگ بھی اسی طرح طلاق سے گریز کریں تو زمانے کا ہر سرکش آپ کے زیرِ نگیں ہو جائے گا۔

ہم نے درج بالا خطاب کا مختصر مفہوم درج کیا ہے۔

چشم و چراغ خاندانِ برکات رفیقِ ملت حضرت سید شاہ نجیب حیدر قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کو بڑے ادب و احترام سے مدعو کیا گیا۔ حضرت رفیقِ ملت نے خطبۂ مسنونہ کے بعد ایک یادگار اور تاریخی خطاب فرمایا۔ ہم یہاں چند اقتباسات نقل کرتے ہیں:

> ”بڑی مضبوطی سے کہہ رہا ہوں، علم کا مرکز اشرفیہ تھا، اشرفیہ ہے، اور اشرفیہ رہے گا۔ ہاں عقیدت کا مرکز بریلی شریف ہے۔ آج حضرت عزیزِ ملت کے سامنے اپنے تایا جان [حضرت سید العلما] کا قول دوہرا رہا ہوں۔ ”الحمد للہ پوری برکاتیت آپ کے لیے موجود ہے۔“ حضور عزیزِ ملت کو گھبرانے کی ضرورت کیا ہے؟ جس کی بنیادوں میں سرکار مفتیِ اعظم ہند کا کرم موجود ہو اس کا کبھی کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ اشرفیہ سے ہمیں بڑی محبت ہے۔ میرے والد [حضور احسن العلما] کو بڑی محبت تھی۔ میرے تایا کو بڑی محبت تھی، میرے خاندان کو بڑی محبت ہے، حضرت امینِ ملت کو بڑی محبت ہے، حضرت شرفِ ملت کو بڑی محبت ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ، اشرفیہ کے لیے خانقاہ برکاتیہ کے ان بچوں کے خون کی آخری بوند بھی اگر درکار ہوگی تو وہ بھی حاضر ہے۔
>
> حضرت عزیزِ ملت! ہم خوشامد نہیں کر رہے ہیں، ہم اس لیے نہیں کہہ رہے ہیں کہ یہاں کی عمارتیں دیکھ رہے ہیں، یا اشرفیہ کی زمین دیکھ رہے ہیں، ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ یہاں سے مسلکِ اعلیٰ حضرت کی خدمت ہو رہی ہے۔ اعلیٰ

حضرت کے مسلک کا کوئی ٹھیکیدار نہیں ہے۔ جو اعلیٰ حضرت کے مسلک کی خدمت کرے وہ اعلیٰ حضرت کا ہے۔ حضور آپ کو سنیت پر کسی کی مہر کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہمیں اپنی سنیت پر کسی کی مہر کی ضرورت ہے۔ ہم سنی تھے، سنی ہیں اور سنی رہیں گے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔"

۵۹۰ /فارغینِ الجامعة الاشرفیہ:

یہ ایک انتہائی علمی اور روحانی منظر ہوتا ہے۔ اتنی کثیر تعداد میں فارغین کی دستار بندی بڑا پرکشش نظارہ ہوتا ہے۔ اسی منظر کو دیکھنے کے لیے فارغین کے اعزہ واقارب دور دور سے تشریف لاتے ہیں اور اپنی نگاہوں کے سامنے علما اور مشائخ کے ہاتھوں اپنے عزیزوں کی دستار بندی کا منظر دیکھتے ہیں۔ امسال مختلف شعبوں سے فارغین کی تعداد حسب ذیل ہے۔

فہرست فارغین الجامعة الاشرفیہ، مبارک پور ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء

درجہ	تعداد
تحقیق فی الفقہ	۷
تحقیق فی الحدیث	۸
تحقیق فی الادب	۶
مشقِ افتا	۱۰
فضیلت	۱۹۴
حفظ	۲۳
میزان	۲۴۸

ان کو دستار دی جا رہی ہے۔

درجہ	تعداد
مولوی و قاری (روایتِ حفص)	۱۴۲
عالم	۲۰۰
میزان	۳۴۲

انھیں صرف سند دی گئی یا دی جائے گی۔

کل فارغین	۵۹۰

دستار بندی کے بعد صاحبِ سجادہ دامت برکاتہم العالیہ نے فارغین کو نصیحت فرمائی اور عام زائرین اور تمام علما و مشائخ کا شکریہ ادا فرمایا، صلاۃ و سلام کے بعد حضرت نے دعا فرمائی اور عرسِ حافظِ ملت اپنے اختتام کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ سب کو حضور حافظِ ملت کے فیوض و برکات سے شاد کام فرمائے۔ آمین۔

--☆--☆--☆--

سپاس نامہ حافظِ ملت ایوارڈ

بخدمت گرامی صدر العلماء، عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

نہایت ہی مسرت کی بات ہے کہ "تنظیم ابنائے اشرفیہ" مبارک پور آج ۴۳/ ویں عرس عزیزی کے مبارک موقع پر صدر العلماء، عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی گوناگوں دینی وعلمی، تعمیری وتنظیمی، تربیتی واصلاحی اور تدریسی وتصنیفی خدمات کے اعتراف میں "حافظ ملت ایوارڈ" تفویض کر رہی ہے۔

آپ کی ولادت ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۹/ ستمبر کو سہ شنبہ کے دن بھیرہ، ولید پور ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع مئو)، یو. پی. میں ہوئی، آپ کے والد ماجد جناب محمد صابر اشرفی مرحوم (متوفی ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء) اسلام وسنیت میں بڑے متصلّب، پابندِ صوم وصلاۃ، نہایت سادہ مزاج اور خدا ترس تھے۔

حضرت صدر العلماء مدظلّہ العالی نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ محترمہ تسلیمہ بنت عبد الرشید بن عبد الصمد (محلہ پورہ دیوان، مبارک پور) سے گھر ہی میں حاصل کی، پھر درجہ سوم تک پرائمری تعلیم مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ بھیرہ میں ہوئی، درجۂ سوم پڑھنے کے بعد ۸/ اپریل ۱۹۶۲ء مطابق ۴/ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ کو مدرسہ اشرفیہ، ضیاء العلوم، خیر آباد، ضلع مئو میں داخلہ لیا اور پانچ سال تک وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۰/ شوال ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۱۹۶۷ء دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور میں داخلہ لیا اور ۱۰/ شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو علما ومشائخ کے ہاتھوں دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔

دستارِ فضیلت کے بعد تدریس کے لیے ایک جگہ آئی، والدِ ماجد نے تدریس کے لیے اجازت دے دی، مگر جب آپ کے استاذ گرامی حضور حافظ ملّت علیہ الرحمۃ والرضوان کو معلوم ہوا تو انھوں نے روک دیا اور فرمایا کہ "میں انھیں اور قیمتی بنانا چاہتا ہوں" پھر آپ نے تقریبًا ایک سال دار العلوم اشرفیہ ہی میں رہ کر مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اس مختصر سی مدّت میں حافظ ملّت علیہ الرحمۃ الرضوان نے انھیں اتنا قیمتی بنا دیا کہ اب ان کی درس گاہ فیض سے مستفیض ہونے والے بھی قیمتی ہوجاتے ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد دار العلوم فیضیہ نظامیہ، باراہاٹ، اِشی پور، ضلع بھاگل پور، بہار، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور، دار العلوم ندائے حق، جلال پور، ضلع امبیڈکر نگر اور مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو میں تدریسی خدمات انجام دیں، مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد میں ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۶ء تک نو سال صدر المدرسین کی حیثیت سے نہایت ذمہ داری کے ساتھ تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا۔ پھر ۹/ شوال ۱۴۰۶ھ/ جون ۱۹۸۶ء کو برصغیر کی سب سے عظیم اور بافیض درس گاہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں شیخ الادب والتفسیر کی حیثیت سے تقرّر ہوا، اور نائب صدر المدرسین کے منصب پر رہتے ہوئے جامعہ کے نظامِ تعلیم وامتحان میں ایسی شان دار اور نمایاں تحسین واصلاح فرمائی کہ دینی مدارس کی دنیا میں آپ ایک عظیم ماہر تعلیم اور بے مثال ناظمِ امتحان کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔

جولائی ۲۰۰۰ء سے جون ۲۰۱۴ء تک ۱۴/ سال آپ جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین کے عہدے پر فائز رہے، اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ شب و روز کی محنت وجاں فشانی سے جامعہ کا تعلیمی اور امتحانی نظام اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔ آپ کی صدارت کے زمانے میں جامعہ میں تخصص فی الحدیث، تخصص فی الادب اور تقابلِ ادیان جیسے عظیم تعلیمی وتحقیقی شعبوں کا اضافہ ہوا، اور "مجلس برکات" جیسا تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی شعبہ قائم ہوا، جس سے نئی درسی کتابوں کی تالیف کے ساتھ بہت سی قدیم درسی کتابوں کی تعلیقات، حواشی اور شرحیں بھی لکھی گئیں، اور اس کے زیر اہتمام اب تک سو سے زیادہ درسی کتابیں چھپ کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ یہ سارا کام آپ کی بافیض رہ نمائی، نگرانی اور اصلاح ونظر ثانی کی برکت سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

آپ کے دورِ صدارت ہی میں "مجلس شرعی" جیسے بے مثال علمی، فقہی اور تحقیقی شعبے کی نشاۃِ ثانیہ بھی ہوئی جس کے زیر اہتمام اب تک چوبیس فقہی سیمینار ہو چکے ہیں، جن میں اسّی سے زائد جدید، پیچیدہ اور مشکل فقہی مسائل کے فیصلے ہو چکے ہیں۔

۲۰۱۴ء میں عہدۂ صدارت سے سبک دوشی کے بعد جامعہ کے ذمہ داروں نے ناظم تعلیمات کا اہم منصب آپ کو تفویض فرمایا جس کے بجا

طور پر آپ حق دار تھے۔

آپ کے عہدِ صدارت ہی میں ۲۰۰۸ء میں "تنظیم المدارس" کا قیام عمل میں آیا جس کا اہم مقصد دینی مدارس کو باہم مربوط کرنا اور یکساں نصابِ تعلیم سے جوڑنا ہے، اسی کے زیرِ اہتمام ایک نصاب ساز کمیٹی کی تشکیل ہوئی جس نے کامل غور و خوض کے بعد مدارس کے قدیم نصاب میں ضروری اور مفید اصلاح و ترمیم کی، اس کے سرخیل اور روحِ رواں حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ ہی تھے۔

جامعہ اشرفیہ میں تقرر سے پہلے ہی آپ نے اپنے مخلص رفقا کے ساتھ مل کر "المجمع الاسلامی" جیسے تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی، جس سے اب تک درجنوں دینی و اسلامی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، یہ ادارہ تحقیق و تصنیف کا مزاج رکھنے والے نوجوان علما کے لیے علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے سفر میں سنگِ میل ثابت ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تحقیق کی بے مثال صلاحیت عطا فرمائی ہے، اب تک آپ کے قلم سے کثیر علمی و تحقیقی مقالات کے ساتھ عربی اور اردو میں درجنوں کتابیں معرضِ تحریر میں آچکی ہیں، جن میں تدوینِ قرآن، امام احمد رضا اور تصوف، تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور "حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حدوث الفتن کو علمی دنیا میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی، یہ عربی کتاب رضا اکیڈمی ممبئی، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے ساتھ ہی دار المقطم قاہرہ، مصر اور دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان سے بھی چھپ چکی ہے۔

آپ کے اوصافِ حمیدہ میں خلوص و ایثار، امانت و دیانت، تقویٰ و پرہیزگاری، احساسِ ذمہ داری، خود اعتمادی و خودداری، نمازِ باجماعت کی پابندی، اوراد و وظائف اور سنن و نوافل پر استقامت، کاموں میں سرعت، تحریر میں فصاحت، زبان و بیان میں بلاغت، تقریر میں اختصار و جامعیت، علوم و فنون میں مہارت، مسائل میں باریک بینی و نکتہ سنجی، معانی میں گہرائی و گیرائی، ظاہر و باطن میں یکسانیت، دین داروں سے محبت، بے دینوں سے نفرت، حق گوئی و بے باکی، رعب و دبدبہ، عالمانہ وقار اور زاہدانہ اوصاف بہت نمایاں ہیں، لایعنی مصروفیتوں سے اجتناب اور حفظِ اوقات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ علمِ دین کی تعلیم خالصاً لوجہ اللہ دیتے ہیں اور طلبہ میں دینی، علمی، عملی اور انسانی و قلمی صلاحیتیں پیدا کرنے میں ممکنہ تدابیر عمل میں لاتے ہیں۔

ربِّ کریم سے دعا ہے کہ وہ اپنے محبوبانِ بارگاہ کے صدقے آپ کو عمرِ خضر عطا فرمائے، آپ کا علمی و عملی فیضان اسی طرح جاری و ساری رکھے اور آپ کو مزید خدماتِ جلیلہ مقبولہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبد الحفیظ عفی عنہ	مورخہ
صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ	یکم جمادی الآخرہ، ۱۴۳۹ھ
مبارک پور، اعظم گڑھ	۱۸؍ فروری، ۲۰۱۸ء شب دوشنبہ

سپاس نامہ حافظِ ملت ایوارڈ

بخدمت سابق ایسوسی ایٹ پروفیسر آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج قرول باغ نئی دہلی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور قدس سرہ العزیز [م:۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء] کا ۴۳واں عرس مبارک ہے۔ آج یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ/ ۱۸؍ فروری ۲۰۱۸ء ہے اسی تاریخ میں تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور دو اصحاب کمال علمائے کرام کو "حافظ ملت ایوارڈ" تفویض کرتی ہے۔ اس بار ایک اہم نام محترم المقام فاضل اشرفیہ ڈاکٹر محمد فضل الرحمن شرر مصباحی دام ظلہ العالی کا منتخب کیا گیا ہے۔ یہ ایوارڈ دراصل ان کی علمی، ادبی اور طبی خدمات کے اعتراف میں دیا جا رہا ہے۔ آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے سچے ہمدرد ہیں۔ آپ کی اپنے استاذ و مربی حضور حافظ ملت سے عشق و محبت کی داستان بھی بڑی طویل اور دل گداز ہے۔ آپ اعلیٰ اور سنجیدہ ذہن رکھتے ہیں۔ برسوں سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۵؍ جون ۱۹۴۴ء میں محلہ کٹرہ مبارک پور میں ہوئی، آپ کا دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ ہوا، حضور حافظ ملت قدس سرہ اور دیگر اساتذۂ کرام نے بڑی محبتوں سے آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا، دورانِ تعلیم تین برس بہ حیثیت معین المدرسین خدمت

انجام دی، اسی دوران انجمن تنظیم ادب محلہ کٹرہ کے جنرل سکریٹری ہوئے۔ ظہور قدسی اور نمود سحر شائع فرمائیں۔ ۱۹۶۲ء میں سند فضیلت سے سرفراز کیے گئے۔

آپ طالب علمی کے دور ہی سے انتہائی ذہین تھے۔ معاملہ فہم اور مدبر تھے، نثر و نظم میں بھی طبع آزمائی شروع فرمادی تھی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد علم طب کے حصول کی جانب متوجہ ہوئے، ۱۹۶۳ء میں تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا، ایف ایم بی ایس کی ڈگری حاصل فرمائی، دو سال کے وقفے کے بعد سات سال تک اسی کالج میں تدریسی خدمات انجام دیں، اسی دوران آپ اسسٹنٹ چیف پراکٹر، کالج میگزین کے چیف ایڈیٹر اور گیمس سپرنڈنٹ رہے۔

۱۹۷۹ء میں آپ کا تقرر اے اینڈ یو طبیہ کالج نئی دہلی میں ہوا، ۲۰۰۴ء میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے، کالج ہسپتال میں تین برس .D.M.S رہے۔

۲۰۰۱-۲۰۰۰ء میں دلی گورنمنٹ نے ”اسٹیٹ ایوارڈ“ برائے سروس ڈاکٹرس دیا، تقریباً ۱۱؍ برس سے سنٹرل گورنمنٹ کی منسٹری آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی کے .T.K.D.L میں بہ حیثیت امی نِنٹ [Eminent] خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ آیوش منسٹری کے شعبہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی مڈیشن [CCRUM] سے تفویض کردہ عربی فارسی کتب کی ویٹنگ [Vetting] کر رہے ہیں۔

سنٹرل گورنمنٹ کے ڈاکٹر رام منوہر لوہیا ہسپتال میں ہفتہ میں ایک دن اور دہلی گورنمنٹ کے دین دیال اپادھیائے ہسپتال میں ہفتہ میں دو دو دن مطب کرتے ہیں۔

ایک سابق وزیر کے اہل خانہ کے اصرار پر ابوظہبی تشریف لے گئے، پانچ دن قیام کرکے مرض کے نسخے تجویز فرمائے۔ ۲۰۰۵ء سے ۲۰۰۸ء تک تین تین ماہ کے لیے لبنان تشریف لے گئے، وہاں محدث شہیر شیخ عبد اللہ ہروی کے خصوصی معالج رہے۔

لبنان کے دوران قیام تقریباً آٹھ ماہ میں طب یونانی کی معروف کتاب شرح الاسباب والعلامات کے متعدّد نسخوں کا مقابلہ کرکے دکتور سید سمیر ناعور اور دکتور شفیق الدیک نے حضرت کی سرپرستی میں اس کو ایڈٹ کیا، اسی دوران مفتی شام علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے تلمیذ رشید مفتی لبنان شیخ محمد ابن سید درویش مصنف اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب کے پڑپوتے دکتور سید کمال الحوت رئیس جمعیۃ الاشراف فی لبنان نے ڈاکٹر شرؔر مصباحی سے میزان الطب سبقاً سبقاً پڑھی۔

آپ ایک متبحر عالم دین، اردو اور فارسی زبان وادب کے ماہر ہیں آپ نے حمد و نعت اور غزل نگاری میں اپنی انفرادیت قائم کی ہے۔ تنقید نگاری میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ جہاں تک ہماری معلومات ہے علم عروض میں آپ یکتائے زمانہ ہیں، غلط اور صحیح کے پرکھنے میں بڑی گہری بصیرت رکھتے ہیں۔

آپ کی تصانیف اور تالیفات کے اسمائے گرامی ذیل میں ملاحظ فرمائیے:

ظہور قدسی، نمود سحر، محاسبے، معارضہ بر محاسبے کا محاسبہ، حدائق بخشش کا فنی اور عروضی جائزہ، غمزۂ چشمِ ہمزہ۔ یہ مطبوعہ ہیں۔

مکتوبات شرؔر مصباحی، مقالات شرؔر مصباحی (تین حصوں میں)، تذکار، خَیطِ ابیض (مجموعۂ حمد، نعت اور منقبت)، ابر نیساں (مجموعۂ غزلیات، رباعیات۔ اردو، فارسی) متفرقات، پرسنل ڈائری سے: مصباح الادب شرح ازہار العرب۔

آپ ایک بلند مقام شخصیت ہیں۔ ہم آپ کو ”حافظ ملت ایوارڈ“ تنظیم ابنائے اشرفیہ کی جانب سے دیتے ہوئے فخر و مسرت محسوس کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی آپ کو بہ صحت و سلامتی تا دیر سلامت رکھے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

عبد الحفیظ عفی عنہ
صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ

مورخہ
یکم جمادی الآخرہ، ۱۴۳۹ھ
۱۸؍ فروری، ۲۰۱۸ء شب دوشنبہ

☆☆☆☆

علومِ اسلامی میں

قابلِ اشاعت تحقیقی مقالے کے عناصرِ ترکیبی اور تقاضے

خورشید احمد سعیدی

تحقیق کے بنیادی سوالات کو نمبر وار ذکر کرنے سے پہلے ایک تعارفی پیرا لکھا جاتا ہے جس میں مسئلہ برائے تحقیق کی توضیح اور بیان ہوتا ہے۔ اس بیان کو تحقیقی مقالہ کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔اس میں ایک مقالہ نگار یہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ موضوع کے وسیع و عریض اور جدید و قدیم میدانوں میں سے کس جدید اور اَچھوتے پہلو پر وہ ایک مفید اور مطلوب تحقیق پیش کرتا ہے۔ مقالہ نگار اپنے قاری کو یہ بتانے کی پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ کونسی مشکل ہے جسے سابقہ یا معاصر محققین نے نہ تو چھوا اور نہ ہی حل کیا؟ یہ بہت ضروری ہوتا ہے کہ مقالہ نگار اُس خلا کی وضاحت کرے جو اَب تک کی تحقیقات سے رہ گیا ہے اور جس کی طرف پہلے کسی محقق نے اِلتفات نہیں کیا۔ اَفرادِ اُمت کو درپیش کسی مشکل مسئلہ کی واضح نشاندہی کر کے ہی کسی موضوع پر تحقیق پیش کی جانی چاہیے۔ اس کا فقدان مقالہ کی ایک بنیادی خامی شمار کی جاتی ہے۔

مشاہدے میں آیا ہے کہ بہت سے مقالہ نگار تحقیق طلب سوال ہی وضع نہیں کر سکتے۔ یہ انداز بھی سامنے آیا ہے کہ سوال تو معقول ہوتے ہیں مگر وہ موضوع کے عنوان، مقالہ میں پیش کی گئی بحث اور مقالہ کے نتائج سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ اس خامی اور کمزوری کو دور کرنے کے لیے نو آموز تحقیق کاروں کو اپنے منتخب کردہ موضوع کے مختلف گوشوں کی واقفیت اور معلومات حاصل کرنے کے لیے مختلف سوالات وضع کرنے چاہئیں۔ اُردو زبان میں سوالیہ جملوں کی تشکیل کے لیے کئی حُروف اور اَلفاظ پائے جاتے ہیں۔ اُن میں سے یہ دَس "کب، کتنا، کدھر، کس، کن، کہاں، کونسا، کیا، کیسے، اور کیوں" اکیلے یا تکرار کے ساتھ زیادہ اِستعمال ہوتے ہیں۔ مذکر مؤنث اور واحد جمع کی ضرورتوں کی بنا پر اِن سے مزید کئی اَلفاظ اور تراکیب بھی بنتی ہیں جنہیں اُن کی نوعیت اور استعمال کے مقامات کی بنیاد پر مختلف قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اُن اَقسام اور تراکیب کا ایک خاکہ درج ذیل جدول میں پیش ہے۔

سوال کی نوعیت	سوالیہ الفاظ
ظرف مکان	کہاں، کہاں پر، کہاں سے، کہاں تک، کس جگہ، کس سمت، کس مقام پر، کس مکان میں، کدھر، وغیرہ
ظرف زمان	کب، کب سے، کب تک، کس وقت، کس دن، کس ہفتہ میں، کس مہینہ میں، کس سال، کس سَن میں، کس صدی میں، کس زمانے میں، کس دور میں، کس موقع پر، وغیرہ
افراد، مقدار یا تعداد	کس، کس سے، کس کو، کس نے، کس پر، کسے، کون، کس کے لیے، کِن کے لیے، کس کی خاطر، کتنا، کتنے، کتنی، کتنوں، کتنوں پر، کتنوں کو، کتنوں سے، کتنوں کے لیے، کتنی بار، کن کو، کونسا، کونسی، کونسے، وغیرہ
ماہیت یا حقیقت	کیا؟ کیا کیا؟
وجوہات، اسباب یا طریقہ کار	کیسے، کس طرح، کیوں، کس لیے، کس وجہ سے، کن وجوہات سے، کس سبب سے، کس بنا پر، کس بنیاد پر، کس لحاظ سے، کس حساب سے، کس طریقے سے، کس نیت سے، کن محرکات سے، وغیرہ

اگر اِن استفہامیہ اَلفاظ و تراکیب کو لے کر مقالہ نگار اپنے عنوان کی عبارت کو شامل سوالات بنائیں تو معلوم ہو گا کہ بعض سوالات کے مزاج کا تقاضا ایک مختصر جواب ہے جبکہ کچھ سوالات ایسے بھی ہیں جن کے جواب میں وضاحت اور تفصیل مطلوب ہوتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ دستیاب وقت، قابلِ رَسائی مآخذ اور دسترس میں آنے والے ذخائر مواد کے پیش نظر اِس دوسری قسم کے سوالات میں سے مناسب سوالات منتخب کریں اور ان کے مدلل و مستند جواب کے لیے بنیادی و اساسی مآخذ سے مواد جمع کریں، اس کا عالمانہ تجزیہ و تحلیل کریں،

لیکچرر شعبہ تقابل ادیان، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز (اُصول الدین)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اور مفید ودلچسپ نتائج کا استنباط کریں۔

یہاں بعض سوالیہ الفاظ کے بارے میں یہ بات سمجھنے کی ہے ہیں کہ سوال کی عبارت میں انہیں دُہرا دیا جائے تو سوال اور اُس کے جواب میں وُسعت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اُن کی نوعیت واحد سے جمع میں بدل جاتی ہے۔ مثلاً وہ سوال جس میں ''کس کس کو'' یا ''کون کون'' کے الفاظ ہوں اس کا تقاضا اس سوال کے تقاضے سے مختلف ہوتا ہے جس میں 'کس کو'، 'کون' صِرف ایک بار مذکور ہوں۔ سوال کی وُسعت کو کم یا زیادہ کرنے کے لیے اس قسم کے انداز سے مدد لی جاسکتی ہے۔

اِن الفاظ اور طریقہ کار کو اختیار کرنے سے وہ ایک قابل اشاعت مقالہ لکھنے کے لائق ہوسکتے ہیں۔ اس طرح جب ایک جائزہ کار ان کے مقالے کا جائزہ لے گا تو اُسے یہاں کوئی خامی نہیں ملے گی۔ وہ بڑے اطمینان سے اِس عنصر کے پورے نمبر دے گا۔ اس کے بعد وہ اُٹھائے گئے سوال ، سوالات کے جوابات کی علمیت ، قیمت استدلال ، افکار کی ترتیب، منطقیت اور سوالات سے ہم آہنگی کا جائزہ لے گا۔ یہاں بھی وہ اگر مقالہ نگار کی مہارت سے متاثر ہوگیا تو مقالہ کی اشاعت کی سفارش کرے گا

(۶) موضوع پر تحقیق کی حدود:

تحقیق کا عمل ایک مسلسل اور وسیع عمل ہے۔ بے شمار موضوعات ایسے ہیں جن پر بہت سے لوگوں نے نہ صرف ماضی میں لکھا بلکہ اَب بھی اُن پر اَن گنت اصحاب قلم اپنی تحقیقات شائع کر رہے ہیں۔ تحقیقی کام زمان ومکان کی حدود میں مقید نہیں رہ سکتا۔ مختلف اَدوار میں ایک ہی موضوع پر کئی کئی کتب شائع ہوئی ہیں۔ کسی معروف پاکستانی یونیورسٹی کی لائبریری کے آن لائن کیٹالاگ میں کوئی کلیدی لفظ لکھ کر تلاش کریں تو ایک ہی موضوع سے متعلق کئی پُرانی اور نئی کتابوں کی دستیابی کا اندازہ ہو جائے گا۔

مختلف موضوعات پر اردو، انگریزی اور عربی وغیرہ زبانوں میں کتابوں کی بہتات ہے۔ اس لیے مقالہ نگار کو اپنے تحقیق طلب موضوع کی حدود ضرور بیان کرنی چاہئیں۔ اُسے واضح کرنا چاہیے کہ اس کا مقالہ سابقہ کام سے کیسے، کتنا اور کیوں مختلف ہے؟ اگر مقالہ نگار کو اس کے موضوع سے ملتا جلتا کام ملے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ واضح کرے کہ اس کا مقالہ شائع شدہ مقالات سے کیسے مختلف ہے؟ اور اس میں کیا نئی تحقیق شامل ہے؟ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ایک جگہ لکھتے ہیں: ''جس طرح سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مسافر کے لیے منزل کا تعین اور راستے کے نشیب وفراز سے آگاہ ہونا اور راہِ منزل کے خط [کذا] وخال اور معالم ونشانات جاننا بھی سہولت وافادیت کا باعث ہوتا ہے اسی طرح کسی موضوع پر گفتگو کا آغاز کرنے سے قبل اس کی تعریف وتحدید اور اس کے لوازمات وملابسات سے آگاہی بھی بے حد مفید وکار آمد ہوتی ہے۔'' (ظہور احمد اظہر، پروفیسر ڈاکٹر، ''حدیث نبوی کا بلاغی اعجاز''، مشمولہ سہ ماہی فکر ونظر (سیرت نمبر)، اسلام آباد، ج ۳۰، شمارہ ۱۔۲، محرم۔ جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ۔ جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۹)

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے یہاں موضوع کی تعریف، تحدید اور اس کے متعلقات کی نشاندہی پر جس طرح زور دیا ہے اس سے نو آموز مقالہ نگار کے لیے کئی مفید اسباق سیکھ سکتے ہیں۔ کسی بھی مقالہ میں بیان کردہ حدود کا اِطلاق نظر آنا چاہیے کیونکہ اس سے تحقیقی عمل کے منضبط، مرتّب اور منظم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

موضوع پر تحقیقی کام کو کئی لحاظ سے محدود کیا جاسکتا ہے۔ زمان کے لحاظ سے یا علاقے کے لحاظ سے، قدیم کے لحاظ سے یا جدید کے لحاظ سے، منہج کے لحاظ سے، کسی دین ومذہب کے لحاظ سے یا کسی فرقے کے لحاظ سے، زبان کے لحاظ سے یا زیر مطالعہ ادب کی نوعیت (کتب تفاسیر، کتب شروح احادیث، کتب عقائد، کتب تاریخ، تحقیقی مجلات کے مقالات، کتب جدل ومناظرہ، وغیرہ) کے لحاظ سے یا ان علوم کی ذیلی شاخوں کے لحاظ سے۔ تاکہ موضوع وسیع ہو کر لا محدود نہ بن جائے۔ اگر بحث وتحقیق کی حدود بیان نہ کی جائیں تو اِس کے متعلقہ تمام پہلوؤں اور قدماء کے ساتھ ساتھ متاخرین کی آراء کا احاطہ کرنا ناممکن بن جاتا ہے۔ موضوع زیر بحث کی حدود بیان نہ کرنا پیش کردہ مقالہ کی بہت بڑی خامی شمار کی جاتی ہے۔

(۷) موضوع پر تحقیق کے اَہداف:

مقالہ نگار کو چاہیے کہ وہ اپنے مقالہ کے مقدمہ میں مقالہ کے اہداف، مقاصد اور اغراض کی معقول وضاحت کرے۔ وہ صاف لفظوں میں یہ بتائے کہ اُس کے مقالے کی اشاعت کے بعد اور اس کے نتائج کی تنفیذ سے ملک پاکستان، پاکستانی معاشرے کے کسی طبقے، گروہ، پیشے، کسی پاکستانی ادارے، عالم اسلام، یا بحیثیت مجموعی اِنسانیت کو کیا فوائد حاصل ہوں گے۔ اہداف صرف دنیوی مفادات اور منافع تک محدود نہ ہو بلکہ خدمت خلق، للّٰہیت اور اخلاص نیت کے ساتھ ٹھوس اہداف بیان کیے جائیں۔ اس سلسلے میں باحثین اور محقق کو اس ارشاد ربانی کو مد نظر رکھنا چاہیے: {مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} [سورۃ ھود:۱۵،۱۶]

مقالہ میں پیش کردہ تحقیق کی ایسی افادیت نہ بتائی جائے، ایسے مقاصد کی جانب اشارہ نہ کیا جائے، اور ایسی اغراض کا تذکرہ نہ کیا جائے جن کا حصول تقریباً ناممکن ہو۔ ناممکن الحصول ہدف والے مقالے قابل اشاعت نہیں ہوتے۔ ایسے اہداف والی تحقیق کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی ہے۔

(۸) موضوع پر تحقیق کا منہج:

تحقیق طلب موضوع چاہے نظری نوعیت کا ہو چاہے تجربی اور اطلاقی نوعیت کا اس پر کام کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی مناسب منہج اور طریقہ تحقیق ضرور ہوتا ہے۔ مشہور مناہج میں منہج استقرائی، استنباطی، تقابلی، کلامی، جدلی، تجزیاتی وتنقیدی، تاریخی، وصفی، وغیرہ شامل ہیں۔ مقالہ نگار کو چاہیے کہ وہ اپنے مقالے کے لیے ایسے منہج یا طریقہ تحقیق کی وضاحت کرے جو اس موضوع کے مناسب حال ہو۔ عنوان کی عبارت میں 'تحقیقی جائزہ' لکھ دینا کافی نہیں ہوتا کیونکہ 'تحقیقی جائزہ' کسی منہج کا نام نہیں ہے۔ مقالہ نگار کو اس طریقہ کی وضاحت کرنی چاہیے جس سے اُس کی تحقیق کے بنیادی سوالات کے جوابات مل جائیں گے۔ بعض موضوعات ایسے ہوتے ہیں جن کے سوالات کے جوابات تک پہنچنے کے لیے ایک سے زائد مناہج کی ضرورت ہوتی ہے۔ مقالہ نگار کو اس نکتے پر ضرور اظہار خیال کرنا چاہیے۔ قابل اشاعت سمجھے جانے والے مقالہ کی یہ علمی خوبی ہوتی ہے کہ اس کا مصنف ابتداہی میں اپنے معقول منہجی اور منطقی طرز استدلال کی توضیح کرتا اور آخر تک اُس کی پیروی کرتا ہے۔ اِس لیے مقالہ نگار علوم اسلامیہ میں استعمال ہونے والے مختلف مناہج اور طرق بحث کی گہری معرفت حاصل کرے۔ اور اپنے منتخب موضوع پر تحقیق کے لیے بہترین اور انسب منہج کو اختیار اور استعمال کرے۔

منہج کے حوالے سے ڈاکٹر محمد سجاد نے ایک بڑی ضروری، مفید اور پتے کی بات بتائی ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر تفسیر قرآن مجید کے متعلق موضوع ہے تو تفسیر کا منہج اختیار کیا جائے، اگر موضوع کا تعلق حدیث اور علوم حدیث سے ہے تو حدیث کا منہج اختیار کیا جائے۔ عموماً مقالہ نگار کچا پکا کام کرتے ہیں۔ عنوان بہت عمدہ ہوتا ہے مگر مواد جہاں سے بھی ملا، جس طرح کا ملا، جس سطح کا ملا جمع کر دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں جمع بھی چلیں ٹھیک ہے لیکن جمع کرنے کے بعد کوئی منہج تو اختیار کر لیں۔ یہ بڑی ضروری بات ہے کہ جو متقدمین ہیں پہلے ان کے موقف اور رائے کو آنا چاہیے، پھر جو متاخرین ہیں ان کی رائے اور موقف لانا چاہیے اور اِن کے بعد جو جدید نقطۂ نظر ہے اُسے پیش کیا جانا چاہیے۔ لیکن لکھتے کیا ہیں کہ علامہ قرطبی نے یہ لکھا ہے، ابن کثیر نے یہ لکھا ہے اور درمیان میں علامہ سید مودودی نے یہ بات کہی ہے، علامہ ابن تیمیہ نے یہ بات لکھی ہے، مولانا فراہی نے یہ کہی ہے، اب کوئی ترتیب ہی نہیں ہے۔ کوئی منطقی، کوئی تاریخی، کوئی زمانی، کوئی سبجیکٹ کی تقسیم۔

ڈاکٹر محمد سجاد نے بالکل درست فرمایا ہے۔ جو اُصولی نکات انہوں نے بیان کیے ہیں ان کا لحاظ نہ رکھا جائے مقالہ ادھر ادھر سے جمع کردہ مواد کا ایک ملغوبہ تو ہو سکتا ہے ایک منفعت بخش تحقیق بالکل نہیں۔ یہاں تک اُن عناصر کی توضیح اور تشریح پیش کی گئی ہے اور اُن کے تقاضوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جنہیں ایک مقالہ نگار اپنے مقالہ کے ابتدائی ڈیڑھ دو صفحات پر پھیلے مقدمہ میں بالاختصار بیان کرتا ہے۔ ان کے بعد مقالے کا دوسرا بڑا حصہ شروع ہوتا ہے جسے صُلب موضوع کہا جاتا ہے۔ اب صُلبِ موضوع کے اجزاء اور انہیں لکھنے کے تقاضے ملاحظہ فرمائیں۔

(۲)۔صُلب موضوع اور اُس کے عناصر ترکیبی:

صُلب موضوع سے مراد منتخب موضوع کی مرکزی بحث ہے۔ اِسی کے لیے موضوع منتخب کیا جاتا ہے اور اسی میں محقق کی شخصیت، کاوش اور موقف کے اصل خد وخال سامنے آتے ہیں۔ یہ مرکزی بحث مختلف عناصر ترکیبی سے تشکیل پاتی ہے۔ یہاں مقالہ نگار کو جن اُمور کا خاص خیال رکھنا ہوتا ہے اُن میں یہ نو بہت اہم ہیں: (۱) مباحث ومطالب کی تقسیم کا خاکہ، (۲) پیراگرافوں اور اقتباسات میں ربط، (۳) احادیث کے اقتباسات اور اُن پر حکم، (۴) اِملاء، رسم الخط اور رموز اوقاف، (۵) تحقیقی مقالے کی زبان اور اُسلوب، (۶) صحت متن، (۷) رَسمیات مقالہ، (۸) مقالے میں مذکور شخصیات کے تراجم، اور (۹) اخلاقیات تحقیق۔ اِن کے تقاضے اور لکھنے کے مناسب طریقے درج ذیل میں ملاحظہ کریں۔

(۱) مباحث ومطالب میں مقالہ کی تقسیم اور خاکہ:

مقدمہ کے بعد اور صُلب موضوع سے پہلے موضوع کا خاکہ (Outline) دینا چاہیے۔ خاکے کا فقدان ایک ایسی عام کمزوری ہے جو اکثر مقالات میں پائی جاتی ہے۔ کسی بھی تحقیق طلب موضوع کے متعدّد پہلو

ضرور ہوتے ہیں۔انہی مختلف جوانب کی وجہ سے وہ مقالہ مباحث، مطالب یا نکات میں تقسیم ہوتا ہے۔ مقالہ نگار کو چاہیے کہ وہ صُلب موضوع اور اپنے مقالہ کے مرکزی حصّے کو شروع کرنے سے پہلے ایک یا آدھے صفحہ پر مقالے کے مندرجات کا خاکہ لکھے۔اس تقسیم کی مدد سے جہاں ایک طرف مقالہ نگار کو اپنی تحقیق کے متعدّد پہلوؤں اور مختلف جوانب کو معقول علمی ترتیب اور ربط سے پیش کرنے میں آسانی ہوتی ہے وہاں اس تحقیق کا مطالعہ کرنے والے کسی قاری کو مقالہ نگار کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں بھی بہت آسانی ہوتی ہے۔اس طریقہ سے ایک طرف مصنف کو اپنا مافی الضمیر اور تحقیق پیش کرنے میں آسانی ہوتی ہے تو دوسری طرف قارئین کو اُس تحقیق کی کڑیوں کو جاننے اور اُن کے ذریعے دیئے گئے پیغام کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی۔اس لیے مقالہ نگار کو چاہیے کہ اپنے کام کی ساخت اور ترکیب ایسی بنائے کہ اس کا مقالہ قابل اشاعت مقالات میں شامل ہو جائے۔ اس کا ایک نمونہ زیر نظر آرٹیکل کے شروع میں بھی پیش کیا گیا ہے۔

تحقیقی مقالات میں بحث کے خاکہ کے عدم وجود پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد سجاد کہتے ہیں کہ انگریزی اور عربی میں لکھنے والے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ پورا خاکہ پہلے بیان کر دیتے ہیں۔مقالے کا عنوان یہ ہے، منہج یہ ہے، اہداف یہ ہیں اور اس کی تقسیم یہ ہے۔اتنی فصول ہیں، اتنے مباحث اور اتنے مطالب ہیں۔مقالہ نگار پہلے ایک دو صفحوں کے اندر پورا خاکہ بیان کر دیتا ہے۔پھر ترتیب سے ہر چیز کو مقالے میں زیر بحث لاتا ہے ۔ اردو میں اس کی کوئی روایت نہیں۔حالانکہ ایسا ہونا چاہیے تاکہ پتا چلے کہ لکھنے والے نے کاپی پیسٹ نہیں کیا بلکہ اپنا input اس کے اندر دیا ہے۔یہ بہت مفید چیز ہے کیونکہ اس سے مقالہ نگار مقالے کو جتنا تقسیم در تقسیم کرے گا اتنا اُس کا Vision کھل کر، صاف اور واضح انداز میں پیش ہو گا۔اگر وہ صرف سیدھے سیدھے پیراگراف لکھتا جائے گا تو یہ بہت مشکل پیدا کریں گے۔پڑھنے والے کے پاس بھی اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ رُک رُک کر مقالے کے اندر مقالہ نگار کی فلاسفی کو سمجھے۔اس لیے عربی اور انگریزی مقالات میں بہت اہتمام ہوتا ہے۔یہ ہم نے دیکھا ہے لیکن اردو میں تو آج تک دو چار دوستوں کے علاوہ ہم نے کسی کا ایسا مقالہ نہیں دیکھا جس میں وہ پورا خاکہ discuss اور بیان کرتے ہوں۔

(۲) پیراگرافوں اور اقتباسات میں ربط:

یہ صُلب موضوع کا سب سے اہم عنصر ہے۔مقالہ نگار کو چاہیے کہ موضوع کے متعلق اپنے افکار کی کڑیوں کو بیان کرنے والے مختلف پیراگرافوں میں گہرا ربط پیدا کرے۔اس کی کمی عموماً وہاں زیادہ محسوس ہوتی ہے جہاں اقتباسات ہوتے ہیں۔ربط پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اقتباس لانے سے پہلے اقتباس کے لیے دو تین تعارفی جملے لکھے جائیں۔ پھر اقتباسات پر تعقیب یا تبصرہ بھی لازماً ہو۔ اقتباسات کا تجزیہ و تحلیل کر کے اُن کی وجہ استدلال بیان کی جائے کہ نقل کردہ اقتباس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟کس چیز کی نفی ہوتی ہے؟کس موقف کا ردّ ہوتا ہے؟اس میں پیش کیے گئے افکار دُرست ہیں یا غلط، مفید ہیں یا غیر مفید، وغیرہ۔ اقتباسات در اصل محقق کے موقف کی سچائی کو ثابت کرنے والے شواہد ہوتے ہیں۔اس لیے ان کا مستند، معتبر، معقول، مناسب اور نپا تُلا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔اقتباس میں اگر قرآنی آیات ہیں تو اُن کی صحت کا سو فیصد یقین کرلینا محقق کے لیے اوّلین درجے کی ذمہ داری ہے۔اقتباس اگر کسی عربی، انگریزی یا فارسی متن کا ترجمہ ہے تو مقالہ نگار کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود ترجمہ کا ناقدانہ جائزہ لے۔وہ اِس بات کو یقینی بنائے کہ ترجمہ اصل متن کے پیغام اور اُس کی روح کی بالکل دُرست نمائندگی کر رہا ہے۔ اِن جگہوں پر محقق کی شخصیت واضح طور پر متحرک اور فعال نظر آنی چاہیے۔ اسی طرح پیراگرافوں میں بیان کردہ نکات کو باہم مربوط کرنے کے لیے بھی کچھ جملے لکھنے چاہئیں۔مقالہ کی تیاری کے وقت اس خامی کو ہر حال میں دور کرنا بہت ضروری ہے۔

اقتباسات اور عبارات میں ربط کے سلسلے میں ڈاکٹر محمد سجاد کہتے ہیں کہ اکثر مقالہ نگار ہر قسم کا مواد جمع کر کے ایک ملغوبہ سا بنا دیتے ہیں۔وہ کوئی نتائج نہیں نکالتے اور نتائج نکالنے کا کام قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔یعنی جو اقتباسات جمع کر دیے ہیں اُن میں ربط نہیں ہے۔کیوں اقتباس لیا ہے؟ یہاں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟اس سے نتائج کیا نکالے ہیں؟ ایک اقتباس، پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا!اقتباسات کی بھرمار ہوتی ہے اور ان میں تجزیہ نہیں ہوتا اس سے نتائج نہیں نکالے جاتے۔ اس سے مقالے کے مرکزی موضوع کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس وضاحت میں جن مرکزی خامیوں اور کمزوریوں کا تذکرہ کیا ہے وہ بہت توجہ طلب ہیں۔ نوآموز اور مبتدی مقالہ نگاروں کو چاہیے وہ انہیں سمجھیں اور آئندہ اپنے مقالات میں سیکھے ہوئے سبق کو استعمال کریں تاکہ ان کے مقالات قابل اشاعت کی فہرست میں آسانی سے شامل ہو سکیں۔............(جاری)

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

کرنسی کا تبادلہ بطور قرض اور اس پر اضافہ کا حکم

ایک صاحب نے دوسرے صاحب کو یہاں کی کرنسی کے اعتبار سے ڈیڑھ کروڑ روپے دیے، یعنی ایک سو پچاس لاکھ روپے۔ اور ان سے وعدہ یہ کیا کہ یہ جو قرض ہے اس کی واپسی امریکن ڈالر میں ہوگی اور طے کر لیا کہ آپ ہمیں ”اکیس ہزار دو سو روپے“ امریکن ڈالر دیں گے، اس ڈیڑھ سو لاکھ کے بدلے میں اور ادائگی کے لیے ایک مہینے کی اور مدت قرار پائی۔

اب جو مقروض ہے وہ یہ کہ رہا ہے کہ آپ مجھے ایک مہینے کی مدت اور بڑھا دیں، میں آپ کو قرض کی قیمت بڑھا کر دوں گا، یعنی پہلے اکیس ہزار دو سو روپے دینے کو کہا تھا، اب ۲۲/ ہزار چار سو روپے دوں گا...

(۱)- جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح سے ایک کرنسی میں قرض دینا اور دوسری کرنسی میں قرض واپس لینا جائز ہے؟

(۲)- دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اس طریقے سے میعاد بڑھا کر جو مزید پیسہ لیا جا رہا ہے اور نفع حاصل کیا جا رہا ہے، حلال ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمادیں، مہربانی ہوگی۔ جزاک اللہ خیرا۔

(واضح رہے کہ یہ جو قرض دینے والا ہے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے تو ڈالر چینج کراتا ہے، اس طرح اس کو فائدہ ہو جاتا ہے اور قیمت گھٹ جاتی ہے تو اس کو نقصان ہی ہوتا ہے۔)

الجواب

(۱)- ہونا تو یہی چاہیے کہ جو کرنسی جتنی مقدار میں قرض دی ہے وہی کرنسی اُسی مقدار میں واپس کی جائے لیکن فریقین کی باہمی رضامندی سے دوسرے ملک کی کرنسی دینا بھی جائز ہے، البتہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ قرض ادا کرتے وقت دوسرے ملک کی کرنسی کا جو ریٹ ہو اس کو پیشِ نظر رکھ کر قرض والی کرنسی کی مالیت مثلاً روپے کی مقدار ادا کی جائے، یہ شرط اس لیے ضروری ہے کہ اس کا لحاظ نہ کرنے کی صورت میں فریقین میں سے کسی ایک کا نقصان ہوگا جو شرعاً روا نہیں، مثلاً قرض ادائیگی کے وقت دوسرے ملک کی کرنسی کا ریٹ بڑھ چکا ہو تو قرض ادا کرنے والے کا نقصان ہوگا اور قرض خواہ کا فائدہ، یہ یقیناً سود ہے جو سخت حرام و گناہِ کبیرہ ہے، اس لیے دوسرے ملک کی کرنسی سے قرض ادا کرنا ہو تو بازار بھاؤ سے قرض کی مقدار مالیت کا صحیح اندازہ کر کے ہی ادا کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) ادائیگی کی میعاد بڑھ جانے کی وجہ سے کرنسی کی مقدار بڑھا دینا سود اور حرام و گناہ ہے، مثلاً ۲۱۲۰۰ کی جگہ ۲۲۴۰۰ ادا کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”وَحَرَّمَ الرِّبٰو“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

گیزر کے گرم پانی کو بہانا اسراف ہے یا نہیں؟

سردیوں میں گیزر کے ذریعہ پانی گرم کیا جاتا ہے اور بسا اوقات لائن میں پانی بہت ہی گرم ہو جاتا ہے اور نارمل پانی کے حصول کے لیے لائن میں موجود ابتدائی گرم پانی کو بہائے بغیر وضو یا غسل کرنا دشوار ترین ہو جاتا ہے، اس طرح کے معاملات نمازیوں کی طرف سے گیزر کے وال کو کم زیادہ کرنے کے سبب مساجد کے وضوخانوں میں بھی ہوتے رہتے ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ کوئی برتن گرم پانی جمع کرنے کے لیے موجود نہ ہو تو وضو یا غسل کے لیے ابتدائی سخت گرم پانی کو بہا کر ضائع کرنا اسراف میں شمار ہوگا یا نہیں؟

اگر اسراف میں شامل ہے تو کیا بہر صورت گناہ ہوگا یا حرج و مشقت کی بنا پر گنہ گار ہونے کا حکم نہیں ہوگا۔

الجواب

وضو کے لیے تیز گرم پانی بہانے کی جو صورت آپ نے تحریر فرمائی وہ شرعاً جائز ہے، اسراف نہیں کہ ”اسراف“ نام ہے ناحق صَرف کرنے یا بے جا خرچ کرنے کا، اور یہ ”صَرف“ ناحق یا بے جا نہیں، بلکہ یہ اپنے آپ کو ناحق ایذا اور بیجا مشقت سے بچانا ہے۔

جب پانی زیادہ گرم ہوگا تو اسے وضو کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی اپنے اوپر جبر کر کے کسی طرح استعمال کر لے تو وہ ناحق

سخت تکلیف اور شدید مشقت میں مبتلا ہوگا، ہو سکتا ہے ایک دو بار استعمال کرنے سے اعضائے وضو پر آبلے بھی پڑ جائیں، حالاں کہ حرج و مشقت شرعًا مدفوع ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ.

اشباہ میں ہے: "المشقة تجلب التيسير."

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

"التبذير في غير الحق، وهو الإسراف."

غیر حق میں صَرف کرنا اسراف ہے۔ (ابن جریر وغیرہ)

ہاں انتظامیہ کو چاہیے کہ وہاں کچھ چھوٹے اور بڑے برتن بھی رکھ دیں تاکہ ایسا پانی چھوٹے برتن میں لے کر بڑے برتن میں ڈال دیا جائے اور ضائع نہ ہو، پھر یہ پانی کا مکمل ضیاع بھی نہیں کیوں کہ اس سے نالی کی صفائی ہوتی ہے اور اس کے جراثیم گرمی کی شدت سے مرتے ہیں۔ هذا ما عندي والله تعالیٰ اعلم.

قرض کے لیے مال گروی رکھنے کا حکم

زید نے بکر سے دو لاکھ روپے دو سال کے لیے قرض لیے اور اپنی سولہ بیگھ زمین بکر کو دی اس طور پر کہ میں جب تک آپ کی رقم واپس کروں آپ میری زمین سے نفع حاصل کرتے رہنا، ساتھ ہی بکر نے تحصیل میں جا کر اس بات پر ایگریمنٹ کرا لیا کہ دو سال سے پہلے زید اپنی زمین واپس نہیں لے سکتا۔

اس کے بعد بکر کو علم ہوا کہ یہ تو سود کی شکل ہے تو اس نے زید سے کہا کہ میں کرائے کے طور پر آپ کو کچھ رقم دوں گا (لیکن اس نے کوئی رقم متعین نہیں کی، اس کی نیت ۵۰۰/ یا ۱۰۰۰/ روپے دینے کی ہے) تو کیا یہ صورت از روئے شرع درست ہے؟ جب کہ عام رواج کے مطابق اتنی زمین کا دو سال تک کا کرایہ ایک لاکھ سے زیادہ ہوتا ہے، نیز اگر صورت مذکورہ واقع ہونے کے بعد فریقین اس بات پر راضی ہو جائیں کہ بکر ایک ہزار روپے سال کے دے گا تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زید و بکر دونوں باہمی رضامندی سے زمین کا کرایہ ایک ہزار روپے سالانہ طے کر لیں تو یہ جائز ہے، البتہ پہلا معاہدہ حرام و گناہ تھا تو اس سے توبہ و استغفار کریں اور بکر نے زید کی زمین سے جو نفع حاصل کیا ہو اسے واپس کرے یا کرایے میں مجرا کرے کہ قرض دے کر مقروض کی زمین سے فائدہ اٹھانا سود و حرام و گناہ ہے، تفصیل کے لیے ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ دسمبر ۲۰۱۷ء (خصوصی فقہی شمارہ) منگا کر مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

موقوفہ قبرستان میں جماعت خانہ بنانے کا حکم

محلہ مدار پورہ شہر مندسور (ایم. پی.) میں ایک موقوفہ قبرستان ہے جس کا سروے نمبر ۲۷۱۵ ہے، جس میں اتفاق رائے سے چہار دیواری کر کے حد بندی کر دی گئی اور قبرستان کے نام کا ایک بورڈ بھی لگا دیا گیا اور اسی کے بعد اسی چہار دیواری کے اندر ایک جماعت خانہ بنا دیا گیا، جب کہ ایک فریق نے روکا بھی کہ قبرستان میں ایسا کرنا درست نہیں ہے، لیکن دوسرا فریق مانا نہیں اور اسی جگہ جماعت خانہ بنا دیا گیا، جس میں شادی بیاہ اور دیگر کام ہوتے ہیں، اور مرد و عورت وہاں پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور سیاسی پروگرام بھی وہاں پر ہوتے ہیں تو اب ایسی صورت میں اس جگہ کھانا کھانا اور دیگر کام کرنا عند الشرع کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ نیز جو لوگ قرآن و حدیث کا حکم نہ مانیں تو ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

قبرستان کی وقفی زمین میں شادی بیاہ، سیاسی پروگرام اور دعوتوں کے کھانا کھلانے کے لیے "جماعت خانہ" تعمیر کرنا اور اسے مذکورہ کاموں میں استعمال کرنا حرام و گناہ ہے۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ زمین جس غرض کے لیے وقف ہوا سے اسی غرض میں استعمال کرنا واجب ہے اور اس کے علاوہ دوسری غرض میں استعمال کرنا، یہاں تک کہ صرف اس کی شکل و ہیئت بدلنا بھی جائز نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لا يجوز تغيير الوقف عن هيئته فلا يجعل الدار بستانا و الا الخان حماما و لا الرّباط دكانا. (فتاویٰ عالمگیری)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبورِ مسلمین کی زیارت کا حکم دیا ہے کہ اس سے خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے، آخرت کی یاد آتی ہے اور سوال میں درج کاموں سے آخرت کی یاد کیا آئے گی، مزید بے خوفی اور غفلت پیدا ہوگی۔ اللہ کی پناہ، مسلمان خدا سے ڈریں، شریعت پر عمل کریں، قبرستان میں وہ کام نہ کریں جو اس کے غرضِ وقف کے خلاف اور خدا سے نیز آخرت سے غافل کرنے کا ذریعہ بنے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فکر امروز

مسجد کا تبادلہ یا اس کی منتقلی نہیں ہو سکتی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا و مسلّمًا

"مسجد" کا لغوی معنیٰ ہے: سجدہ کی جگہ، جہاں اللہ کے لیے "سجدہ کیا جائے"۔ اور عرف شرع میں مسجد وہ جگہ ہے جو دائمی طور پر اللہ کی عبادت کے لیے وقف کی گئی ہو۔

وقف کے بعد وہ جگہ خالص اللہ تبارک و تعالیٰ کی ملک ہو جاتی ہے اور اللہ عزّ و جل ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا، اس لیے جو جگہ ایک بار شرعًا مسجد ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہو جاتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ کوئی اسے بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ کر سکتا ہے، نہ کسی دوسری زمین یا عمارت سے اس کا تبادلہ کر سکتا ہے اور کتاب و سنت کے نصوص اور تعامل مسلمین سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی ان امور کی اجازت نہیں دی، بلکہ مسجدوں کو ذکر الٰہی سے روکنا ظلم قرار دیا۔

کتاب اللہ سے ثبوت:

(۱) ارشادِ باریتعالیٰ ہے:

اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ ۔ یقیناً مسجدیں خاص اللہ ہی کی ہیں۔
(آیت ۱۸، سورۃ الجن ۷۲)

اس آیتِ کریمہ میں "لام اختصاص" کے ذریعہ اللہ عزّ و جلّ کی طرف مساجد کی اضافت کی گئی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجدیں خاص ملک خدا ہیں۔

نویں صدی ہجری کی معتمد و مستند کتاب "فتح القدیر" میں اس کی ترجمانی یوں کی گئی ہے:

وَالْمَسْجِدُ خَالِصٌ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ لَيْسَ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقٌّ، قَالَ اللّٰہ تَعَالَى «وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ» مَعَ الْعِلْمِ بِأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ لَهُ فَكَانَ فَائِدَةُ هَذِهِ الْإِضَافَةِ اخْتِصَاصَهُ بِهِ، وَهُوَ بِانْقِطَاعِ حَقِّ كُلِّ مَنْ سِوَاهُ عَنْهُ. (فتح القدير ج: ٦، ص: ٢١٨، كتاب الوقف، مكتبه زكريا هند)

اور عنایہ شرح ہدایہ میں اس طرح مذکور ہے:

قَالَ تَعَالَى: «وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ» أَضَافَ الْمَسَاجِدَ إِلَى ذَاتِهِ مَعَ أَنَّ جَمِيعَ الْأَمَاكِنِ لَهُ، فَاقْتَضَى ذَلِكَ خُلُوصَ الْمَسَاجِدِ لِلّٰہِ تَعَالَى.
(ج ٦، ص ٢١٧، كتاب الوقف مكتبه زكريا هند)

اِن دونوں کتابوں کی عبارتوں کے معنیٰ یہ ہیں:

"ساری چیزیں تو خدا ہی کی ہیں مگر اس کے باوجود اس بے نیاز مولیٰ نے صرف مساجد کو اپنی ذاتِ کریم کی طرف منسوب کیا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسجدیں خالص اللہ تعالیٰ کی ہیں اور ان میں کسی بندے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

اس تفصیل سے بخوبی عیاں ہوجاتا ہے کہ بندہ کسی مسجد کو نہ بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ یا تحفہ کے طور پر کسی کو دے سکتا ہے، نہ ہی کسی عمارت یا زمین سے اس کا تبادلہ کر سکتا ہے کہ جب وہ مسجد کا مالک ہی نہیں تو اسے اِن تصرفات کا حق بھی نہیں مل سکتا۔

(۲) دنیا کی سب سے پہلی مسجد کعبہ شریف ہے جو ایک اللہ کی عبادت کے لیے خاص ہوا، چناں چہ قرآن مقدس میں ہے:

« اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾»[آیت: ٩٦/ سورۃ آل عمران ٣]

"بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکّہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہاں کا راہ نما۔"

جو گھر یا زمین اللہ کی عبادت کے لیے خاص و مقرر ہو، اُسے شریعت میں "مسجد" کہتے ہیں اس طرح "بیتُ اللہ" شریف سب سے پہلی مسجد ہے۔

اور یہ بیت اللہ یا "خانۂ خدا" ایک زمانے تک ویران رہا، پھر مشرکین مکہ نے اس میں سیکڑوں بت رکھے اور ایک زمانے تک ان کو پوجتے رہے مگر کعبہ شریف ان سب کے باوجود خانۂ خدا (مسجد) ہی رہا

صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

اور آج بھی وہ خانۂ خدا (مسجد) ہے۔ اس پر مسلمانوں کے ہر فرقے اور ہر گروہ کا اتفاق ہے، کبھی کوئی اس کا قائل نہ ہوا کہ مشرکین مکہ کے غلبہ و تسلط اور کثیر بتوں کی پرستش کی وجہ سے اسے مشرکین کے حوالے کرکے اس کے بدلے میں کوئی دوسری زمین یا عمارت لے لی جائے، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے مشرکین کے تسلّط سے آزاد کرایا، اس لیے یہی حکم دوسری مسجدوں کا بھی ہے۔ خانۂ کعبہ دوسری مساجد کی بہ نسبت یقیناً بدرجہا افضل ہے لیکن مقام عبادت ہونے اور وقف یا خالص ملک خدا ہونے میں دونوں مساوی ہیں تو بہر حال دونوں کا حکم بھی ایک ہے۔

یہاں یہ نہ سوچا جائے کہ کعبہ شریف کے اندر نماز نہیں ہوتی کیوں کہ

- اس میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و تابعین نے نمازیں پڑھی ہیں۔
- پھر بعد کے ادوار میں بھی مسلمان ہمیشہ نمازیں پڑھتے رہے۔
- اور آج بھی مختلف موقعوں پر بابِ کعبہ کھلتا ہے اور مسلمان اندر جاکر نماز پڑھتے ہیں۔

فقہاے اسلام نے اپنی فقہی کتابوں میں مستقل طور پر باب الصلاۃ فی الکعبۃ کا عنوان قائم کرکے اس میں نماز پڑھنے کے احکام بھی بیان کیے ہیں۔

پھر حطیم تو عین کعبہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری شریف کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے، فرق بس یہ ہے کہ حطیم کے اردگرد اونچی دیوار اور چھت نہیں ہے اور جس جگہ کو عرف میں کعبہ کہا اور سمجھا جاتا ہے اس کے اردگرد اونچی دیوار اور چھت ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مسجد کے ایک حصّے پر چھت ہوتی ہے اور دوسرا حصہ کھلا رہتا ہے اس پر کوئی چھت نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی بلا شبہہ مسجد ہی ہے، جب حفاظت وغیرہ کے مقصد سے عمارتِ مسجد کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے تو لوگ اسی کھلی جگہ میں نماز پڑھتے ہیں، ویسے ہی کچھ مصالح کے پیش نظر باب کعبہ بند رہتا ہے تو لوگ کعبہ شریف کے کھلے حصے - حطیم - میں نماز پڑھتے ہیں اور یہ نماز بھی کعبہ شریف میں نماز کی طرح ہے، پھر صحن کعبہ میں ہر وقت نماز میں نماز پڑھی جاتی ہے اور ذکر و عبادت کا سلسلہ تو ہمیشہ جاری رہتا ہے اس لیے یہاں ذکرِ الٰہی سے کبھی ممانعت نہیں۔

بیت اللہ کا جو حصہ مسقّف ہے، جسے عرف عام میں کعبہ شریف کہا جاتا ہے اس کے اردگرد ہمیشہ ہزار ہا ہزار زائرین اور طائفین و معتمرین ہوتے ہیں جو باب کعبہ کے کھلتے ہی پروانہ وار اس میں داخلہ کے لیے اُمڈ پڑیں گے جب کہ کعبہ شریف کی وسعت بہت کم ہے ایک مختصر سی جگہ میں پروانہ وار داخلے کے لیے بے شمار لوگوں کا ہجوم اور باہم شدید کش مکش ان کے لیے وبالِ جان اور سوہانِ روح ثابت ہوگا جو سخت حرج و مشقت کا باعث ہے اس لیے عام حالات میں باب کعبہ بند رہتا ہے، اور یہی تقاضاے حکمت ہے اس پر کسی ایسی مسجد کو قیاس نہیں کیا جا سکتا جس میں نماز پڑھنے پر ہر طرح پابندی ہو۔

(۳) مسجدوں کو اللہ کی عبادت سے روکنا اور ان کو ویران کرنا بہت بڑا ظلم ہے اور ظلم سخت حرام و گناہ۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا﴾ [آیت: ۱۱۴، سورۃ البقرۃ ۲]

”اور اس سے بڑھ کر ظالم کون، جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں خدا کا نام لینے سے روکے اور اس کی ویرانی میں کوشش کرے۔“

عربی زبان میں مَنْ کا لفظ عام ہے جو مسلم و غیر مسلم اور مرد و عورت ، واقف، غیر واقف سب کو شامل ہے، اس لیے اللہ کی مسجدوں کو جو بھی ذکر الٰہی سے روکے یا انھیں ویران کرے وہ بڑا ظالم ہے، لہٰذا اگر کوئی مسلم حکمراں یا بادشاہ ایسا کرتا ہے تو اس پر بھی قرآن پاک کا یہی حکم جاری ہوگا، ہم مسلمانوں کے لیے حُجّت و دلیل قرآن ہے، نہ کہ کوئی مسلم بادشاہ یا حکم راں۔ مسلم حکم راں تو کچھ ایسے بھی گزرے ہیں جنھوں نے ناحق اپنے باشندوں کے ساتھ ظلم کیا ہے اور بسا اوقات ظلم کی انتہا بھی کر دی ہے تو ان کا فعل ظلم کے جواز کی دلیل تو نہیں بن سکتا۔

مذہب اسلام نے تو ہر شخص کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا اختیار دیا ہے اپنی زمین اور اپنی عمارت میں دوسروں کو نماز و عبادت سے روکنے کا مکمل حق عطا کیا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی زمین یا مکان میں بغیر اس کی رضا کے نماز پڑھ لے تو یہ ایک طرح سے ظلم ہوگا اور اس کے باعث نماز پڑھنے والا گنہگار و مستحق غضبِ جبّار ہوگا، پھر اپنی یا دوسرے کی بنائی ہوئی مسجد میں خود بانی یا واقف کا ذکر و عبادت سے روکنا ظلم، بلکہ بہت بڑا ظلم کیوں قرار پایا؟

اس کی وجہ یہی ہے کہ مسجدیں خاص خدا کی مِلک ہیں، ان میں

بندوں کا کوئی حق نہیں، اس لیے ان کے ذریعہ مسجدوں میں ذکرِ الٰہی کیے جانے سے روکنا، یا کوئی بھی تصرف مالکانہ ظلم ہی ہوگا۔

(۴) مسجدیں بیتُ اللہ ہیں، یعنی ''خانۂ خدا'' اور ''خانۂ خدا'' میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کی عبادت کرنا، یا اس پر قبضہ جما لینا زیادتی ہے جیسے دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر اپنا کام کرنا یا اس پر قبضہ جما لینا زیادتی ہے اور خدا نے اپنے گھر میں دوسرے کی عبادت کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ اس سے ممانعت فرما دی ہے۔ چناں چہ قرآن حکیم میں ہے:

«وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾»

[آیت: ۱۸، سورۃ الجنّ ۷۲]

''اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔''

یعنی مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت جاری ہو مگر ساتھ ہی وہاں غیر اللہ کی بھی عبادت ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور جب مسجد میں اللہ کی عبادت پر پابندی عائد کر کے صرف غیر اللہ کی عبادت کی جائے تو یہ بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ اور کوئی گروہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مسجدوں کو اللہ کی عبادت سے روک کر اس میں غیر اللہ کی عبادت کی جائے، یا اس کو بت خانہ بنا دیا جائے۔

تفسیر الکشاف میں اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں ہے:

أي: (فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللهِ أَحَداً) فِي المَسَاجِدِ، لأَنَّهَا لله خَاصَّةٌ وِلِعِبَادَتِهِ. (تفسير الكشاف ج: ٤، ص: ٦٢٩، دارَ الكتاب العربي-بيروت)

یہ تفسیر علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری کی ہے جن کا انتقال ۵۳۸ھ میں ہوا۔

تفسیر مدارک التنزیل کے الفاظ بھی تقریباً یہی ہیں:

(فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللهِ أَحَداً) فِي المَسَاجِدِ، لأَنَّهَا خَالِصَةٌ لله و لِعِبَادَتِهِ. (مَدارك التنزيل ج: ٣، ص: ٥٥٢، مطبوعه دارَ الكلم الطيب-بيروت)

یہ تفسیر ابو البرکات عبد اللہ بن احمد حافظ الدین نسفی کی ہے جن کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی۔

دونوں عبارتوں کے معنیٰ ہیں:

''اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مسجدوں میں نہ کرو، اس لیے کہ مسجدیں خاص اللہ اور اس کی عبادت کے لیے ہیں - یا - مسجدیں خالص اللہ اور اس کی عبادت کے لیے ہیں۔

سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ثبوت:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ثَمغ کے نام سے ایک زمین تھی۔ یہ فی الواقع کھجوروں کا ایک عمدہ باغ تھا۔ حضرت فاروق اعظم نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے ایک نفیس مال ملا ہے، تو کیا میں اسے وقف کر دوں؟

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَصَدَّقْ بِأَصْلِهِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ وَلَكِنْ تُنْفَقُ ثَمَرَتُهُ قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهِ عُمَرُ فِي سَبِيلِ اللهِ - رواه محمد في كتاب الأصل - (فتح القدير ج: ٦، ص: ١٩٠ - ١٩١، كتاب الوقف مكتبه زكريا هند)

''اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اصل باغ تو وقف کر دو وہ نہ بیچا جائے۔ نہ ہبہ کیا جائے، نہ اس میں میراث جاری ہو، ہاں اس کا پھل خرچ کیا جائے۔ تو حضرت عمر نے اسے راہِ خدا میں مسکینوں وغیرہ پر وقف کر دیا۔''

''صحاحِ ستہ'' میں یہ واقعہ ذرا تفصیل کے ساتھ اس طرح ہے:

حضرت عبد اللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی تو وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مجھے زمین کی شکل میں جو مال ملا ہے ایسا نفیس و عمدہ مال مجھے (پہلے کبھی) نہیں ملا۔ اس کے متعلق آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ اللہ کے رسول نے فرمایا، اگر چاہو تو اصل زمین کو وقف کر دو تو حضرت فاروق نے اسے محتاجوں، قرابت داروں وغیرہ پر وقف کر دیا۔

إِنَّه لَا يُبَاعُ، وَ لَا يُورَثُ، وَ لَا يُوهَبُ.

(صحيح بخارى شريف ص: ٣٨٢، ج: ١، باب الشروط، أيضًا ص: ٢٨٩، ج: ١، كتاب الوصايا ●صحيح مسلم شريف ص: ٤١، ج: ٢، باب الوقف ●سنن أبو داؤد ص: ٤٢، ج: ٢، كتاب الوصايا ●جامع الترمذي ص: ١٧٧،

ج: ۱، کتاب الوقف •سنن ابن ماجه کتاب الأحکام •سنن النسائي ، کتاب الأحباس۔ واضح ہو کہ اِن چھ کتابوں کو ''صحاحِ ستّہ'' کہا جاتا ہے۔)

''اصل باغ نہ بیچا جائے، نہ ہبہ کیا جائے، نہ اس میں وراثت جاری ہو۔''

بخاری شریف کی بعض روایتوں میں یہ ہے:

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَصَدَّقْ بِاَصْلِهٖ ، لَا يُبَاعُ وَ لَا يُوْهَبُ وَ لَا يُوْرَثُ وَ لٰكِنْ تُنْفَقُ ثَمَرَتُهُ فَتَصَدَّقَ بِهٖ عُمَرُ . (نصبُ الرَّاية ص: ٤٧٦، ج: ۳، بحواله صحيح بخاري شريف)

''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاروق کے جواب میں ارشاد فرمایا: اصل باغ وقف کر دو، اسے نہ بیچا جائے، نہ ہبہ کیا جائے، نہ اس میں وراثت جاری ہو، ہاں اس کا پھل (فقرا وغیرہ پر) خرچ کیا جائے تو حضرت عمر نے اسے وقف کر دیا۔''

حدیث پاک کے مطابق یہ باغ محتاجوں، مسافروں، مہمانوں، قرابت داروں وغیرہ پر وقف ہوا تھا تاکہ وہ اس کے پھل اپنے استعمال میں لائیں۔ اس لیے یہ صراحت کی گئی کہ اس کا پھل محتاجوں وغیرہ پر خرچ ہو کہ یہی اس کی غرض ہے، اور اصل باغ وقف ہوا تھا اس لیے سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی بیع و ہبہ سے ممانعت فرمادی۔

ان احادیث سے بہت ہی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اصل وقف کو نہ بیچا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے واقف کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

وجہ وہی ہے کہ وقف کے بعد وہ چیز واقف کی ملک سے نکل جاتی ہے تو اس میں وہ کوئی تصرفِ مالکانہ نہیں کر سکتا۔

تعاملِ اہلِ اسلام سے ثبوت:

وقف دو طرح کے ہیں:

★ عام اوقاف ★ وقفِ مسجد

عام اوقاف کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا موقف یہ ہے کہ موقوفہ چیز مالک کی ملک سے باہر نہیں ہوتی، لیکن اس کے برخلاف امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ بلکہ عامۂ امت کا موقف یہ ہے کہ وقف کی وجہ سے موقوفہ چیز واقف کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ۔

اس سلسلے میں نویں صدی ہجری کے زبردست حنفی فقیہ امام ابن الہمام کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولادت ۷۹۰ھ ——— وفات: ۸۶۱ھ) نے یہ وضاحت کی ہے:

وَالْحَقُّ تَرَجُّحُ قَوْلِ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ بِلُزُومِهِ ؛ لِأَنَّ الْأَحَادِيثَ وَالْآثَارَ مُتَظَافِرَةٌ عَلَى ذٰلِكَ قَوْلًا كَمَا صَحَّ مِنْ قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «لَا يُبَاعُ وَلَا يُورَثُ» إِلَى آخِرِهِ ، وَتَكَرَّرَ هَذَا فِي أَحَادِيثَ كَثِيرَةٍ وَاسْتَمَرَّ عَمَلُ الْأُمَّةِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ عَلَى ذٰلِكَ.

أَوَّلُهَا صَدَقَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَدَقَةُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَالزُّبَيْرِ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ وَأَسْمَاءَ أُخْتِهَا وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأُمِّ حَبِيبَةَ وَصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي أَرْوَى الدَّوْسِيِّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ، كُلُّ هٰؤُلَاءِ مِنَ الصَّحَابَةِ ، ثُمَّ التَّابِعِينَ بَعْدَهُمْ كُلُّهَا بِرِوَايَاتٍ ، وَتَوَارَثَ النَّاسُ أَجْمَعُونَ ذٰلِكَ. [فتح القدير ج: ٦، ص: ۱۹۳، كتاب الوقف ، دار الكتب العلمية ، بيروت]

ترجمہ: ''حق یہ ہے کہ راجح، جمہور علما کا یہ قول ہے کہ وقفِ عام بھی لازم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی تائید میں کثیر احادیث اور آثار قولاً موجود ہیں جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ''نہ اس کی بیع ہو سکتی ہے نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے''۔ الیٰ آخرہ۔ یہ مضمون، کثیر احادیث میں بار بار آیا ہے اور لگاتار اس پر امت کا عمل رہا ہے، صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے لوگ اس پر کاربند رہے ہیں۔

سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وقفی صدقہ ہے پھر حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، زبیر، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، حضرت عائشہ، ان کی بہن حضرت اسما، امہات المومنین حضرت ام سلمہ، ام حبیبہ، صفیہ بنت حُیَی، سعد بن ابی وقاص، خالد

بن ولید، جابر بن عبد اللہ، عقبہ بن عامر، ابو اَروی دَوسی، عبد اللہ بن زبیر کے وقفی صدقے۔ یہ سب حضرات صحابی ہیں، پھر ان کے بعد تابعین ہیں سب کا عمل روایات سے ثابت ہے اور یہ سارے لوگوں میں متوارث طور پر جاری رہا ہے۔"

اس عبارت میں "وقف کے لزوم" پر تعامُل و توارث بتایا گیا ہے اور اس سے کچھ پہلے یہ صراحت ہے کہ وقف کے لزوم سے چیز، مالک کی ملک سے نکل جاتی ہے، چناں چہ امام ابن الہمام لکھتے ہیں:

إِذَا تَمَّتْ الدَّلَالَةُ عَلَى لُزُومِهِ خَرَجَ عَنْ مِلْكِهِ بِمُوَافَقَتِنَا لَهُمَا عَلَى ذٰلِكَ لِاعْتِقَادِ الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ التَّلَازُمَ بَيْنَ "اللُّزُومِ" وَ "الْخُرُوجِ" عَنْ مِلْكِهِ. [فتح القدير ج: ٦، ص: ١٩٢، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية، بيروت]

ترجمہ: "جب وقف کے لازم ہونے کی دلیل تام ہوگئی تو وقف کا ملکِ واقف سے نکل جانا ثابت ہوگیا۔ اس پر ہم امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما سے موافقت رکھتے ہیں اس لیے کہ تینوں ائمہ رحمہم اللہ یہ مانتے ہیں کہ جب بھی کوئی وقف لازم ہوگا تو واقف کی مِلک سے خارج بھی ہوگا۔"

اور "**وقفِ مسجد**" کے بارے میں تو سب کا اجماع ہے کہ وقف کی وجہ سے مسجد بندے کی ملک سے نکل جاتی ہے اور خاص اللہ عزّوجلّ کی مِلک میں داخل ہوجاتی ہے۔

چناں چہ فقہِ اسلامی کی بہت ہی معتمد و مستند کتاب "الهدایه" میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول منقول ہے:

بِخِلَافِ الْمَسْجِدِ لِأَنَّهُ جُعِلَ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالَى، وَلِهٰذَا لَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ.

[الهداية ج: ٢، كتاب الوقف، مجلس البركات]

ترجمہ: "عام اوقاف کے برخلاف مسجد بندے کی ملک سے نکل جاتی ہے کیوں کہ مسجد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے اور اسی وجہ سے مسجد سے انتفاع ناجائز ہے۔"

اس عبارت کی تشریح امام ابن الہمام نے اس طرح کی:

وَقَوْلُهُ كَالْمَسْجِدِ نَظِيرُ مَا خَرَجَ عَنِ الْمِلْكِ بِالْإِجْمَاعِ لَا إِلَى مَالِكٍ. [فتح القدير، ج: ٦، ص: ١٩٢، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية]

ترجمہ: مسجد واقف کی ملک سے بالاجماع نکل جاتی ہے اور اس کا کوئی انسان مالک نہیں ہوتا۔

یہاں سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ عام اوقاف کے بارے میں صحابہ و تابعین و عامۂ علما کا موقف یہ ہے کہ وہ بندے کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک ہو جاتے ہیں، جب کہ امام ابو حنیفہ کی رائے اس کے برخلاف ہے۔

اور وقف مسجد کے بارے میں عامۂ علما و صحابہ و تابعین کے ساتھ امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ مسجد بندے کی ملک سے نکل کر خالص اللہ عزّوجلّ کی ملک ہو جاتی ہے۔

اور اللہ جلّ جلالُہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اسے نہ کبھی نیند آئے، نہ اونگھ، نہ کبھی آئی ہے۔ اس لیے اس کی یہ ملک ہمیشہ باقی رہے گی اور جو جگہ ایک بار مسجد ہوگئی وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا وصف یہ بیان کرتا ہے:

﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ ﴾ [آيت: ٢٥٥، سورة البقرة ٢]

ترجمہ: "اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا، اُسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔"

فقہی کتابوں سے ثبوت:

مسجد آباد ہو اور اس کی حاجت بھی ہو مثلاً وہاں مسلمان آباد ہیں، وہ اس میں نماز پڑھتے ہیں، یا وہاں قرب و جوار میں مسلمان تو نہ رہے مگر کبھی کبھار مسافر ادھر سے گزرتے ہیں اور اس میں نماز پڑھتے ہیں تو وہ قطعاً، یقیناً ہمیشہ کے لیے مسجد ہے۔

اور اگر مسجد کے آس پاس جگہ ویران ہوگئی، وہاں لوگ رہے نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھیں یعنی مسجد بالکل بے کار ہوگئی، جب بھی وہ بدستور مسجد ہے، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے توڑ پھوڑ کر اس کی اینٹ، پتھر وغیرہ اپنے کام میں لائے، یا اسے مکان بنا لے یعنی وہ قیامت تک مسجد ہے۔

اس سلسلے میں امام ابن الہمام کمال الدین حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولادت ۷۹۰ھ ——— وفات: ۸۶۱ھ) اور امام فخر الدین زیلعی (وفات: ۷۴۳ھ) نے یہ صراحت کی ہے:

(وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَ الْمَسْجِدِ وَاسْتُغْنِيَ عَنْهُ)

أَيْ اسْتَغْنَى عَنْ الصَّلَاةِ فِيهِ أَهْلُ تِلْكَ الْمَحَلَّةِ أَوْ الْقَرْيَةِ بِأَنْ كَانَ فِي قَرْيَةٍ فَخَرِبَتْ وَحُوِّلَتْ مَزَارِعَ يَبْقَى مَسْجِدًا عَلَى حَالِهِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ . وَاسْتَدَلَّ أَبُو يُوسُفَ وَجُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ بِالْكَعْبَةِ . فَإِنَّ الْإِجْمَاعَ عَلَى عَدَمِ خُرُوجِ مَوْضِعِهَا عَنْ الْمَسْجِدِيَّةِ وَالْقُرْبَةِ.

(فتح القدير ج : ٥، ص: ٤٤٦. تبيين الحقائق ، كتاب الوقف ، فصل من بنى مسجدا لم يزل ملكه)

ترجمہ: ”اگر مسجد کا گرد و پیش اور وہاں کی آبادی ویران ہو جائے اور لوگوں کو اس کی حاجت باقی نہ رہے تو بھی وہ جگہ مسجد ہی رہے گی۔ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف علیہم الرحمۃ و الرضوان کا یہی مسلک ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل اس امر پر اجماع امت ہے کہ خانۂ کعبہ کی جگہ (عرصۂ دراز تک ویران رہنے پھر اس میں ۳۶۰ بتوں کی پوجا ہونے کے باوجود بھی وہ مسجد اور مقام عبادت ہونے سے خارج نہ ہوئی۔“

چوتھی، پانچویں صدی ہجری کے ایک فقیہ ابو الحسین احمد بن محمد قدوری کی کتاب ”التجرید“ میں ہے:

إذا خرب جوار المسجد واستغنى عنه ، قال أبو يوسف: لا يرجع ملكا أبدا. وبه قال الشافعي.

(التجريد، كتاب الوقف، باب الملك في الوقف بعد خرابه ، المؤلف: أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان أبو الحسين القدوري (٣٦٢ - ٤٢٨ هـ)

ترجمہ: ”جب مسجد کے آس پاس کوئی آبادی نہ ہو، ویرانی آجائے اور مسجد استعمال میں نہ آئے تو بھی وہ کبھی کسی شخص کی ملک نہ ہوگی۔ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔“

پانچویں صدی ہجری کے ایک دوسرے فقیہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی کی کتاب میں ہے:

إن خرب ما حول المسجد واستغنى الناس عن الصلاة فيه فعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالى لا يعود إلى ملك الباني ولكنه مسجد كما كان ... أبو يوسف رحمه الله تعالى يقول إذا تم زوال العين عن ملكه وصار خالصا لله تعالى فلا يعود إلى ملكه بحال، كما لو أعتق عبده. وهذا لأن القربة التي قصدها لم تنعدم بخراب ما حولها فإن الناس في المساجد شرعا سواء، فيصلي في هذا الموضع المسافرون ومارة الطريق ... واستدل أبو يوسف رحمه الله تعالى بالكعبة فإن في زمان الفترة قد كان حول الكعبة عبدة الأصنام ثم لم يخرج موضع الكعبة به من أن يكون موضع الطاعة والقربة خالصا لله تعالى فكذلك سائر هذه المساجد. (المبسوط ، الجزء الثاني عشر ، ص: ٧٤، المؤلف: شمس الأئمة محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي الخزرجي الأنصاري (المتوفى ٤٨٣ھ أو ٤٩٠ھ)

ترجمہ: ”اگر مسجد کے آس پاس ویرانی آجائے اور مسجد میں نماز پڑھنے والے لوگ وہاں نہ رہیں تو بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول یہی ہے کہ وہ مسجد بانی کی ملکیت میں واپس نہ آئے گی، جیسے پہلے مسجد تھی اب بھی مسجد رہے گی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ معینہ جگہ بانی کی ملک سے پوری طرح نکل گئی اور خالص اللہ رب العزت کے لیے ہوگئی تو پھر کبھی بانی کی ملک میں واپس نہ آئے گی۔ جیسے اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کردے تو پھر وہ اس کا یا کسی کا غلام نہیں ہوسکتا —— یہ حکم اس لیے ہے کہ مسجد کے آس پاس ویرانی آجانے سے وہ قربت اور نیکی ختم نہیں ہوجاتی جس کی نیت بانی مسجد نے کی تھی، اس لیے کہ مسجد میں عبادت کا حق شرعاً سب لوگوں کے لیے یکساں ہے تو آس پاس کی جگہ ویران ہونے کے باوجود وہاں سے گزرنے والے مسافرین اور راہ گیر اس مسجد میں نماز ادا کرسکتے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دلیل میں کعبہ کو پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فترت کے زمانے میں کعبہ کے آس پاس صرف بت پرست تھے پھر بھی کعبہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے طاعت و قربت کی جگہ سے خارج نہ ہوا۔ تو یہی حکم دوسری ساری مسجدوں کے لیے ہوگا۔“

یہاں ایک دوسرا ضعیف قول بھی ہے مگر قولِ ضعیف پر فتویٰ دینا

یا اس کو اختیار کرنا اور اس پر عمل درآمد جائز نہیں۔

گیارہویں صدی ہجری کے ایک حنفی فقیہ علامہ محمد علاء الدین حصکفی (جن کی وفات ۱۰۸۸ھ میں ہوئی) اپنی کتاب الدر المختار میں لکھتے ہیں:

الْحُكْمُ وَ الفُتْيَا بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوْحِ جَهْلٌ وَّ خَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ. [الدر المختار ، مقدمة الكتاب، ج: ١، ص: ٧٤، دار الفكر - بيروت]

"جو قول مرجوح ہو اس پر حکم و فتوی جاری کرنا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔"

واضح ہو کہ اس باب میں حنبلی مذہب بہت ضعیف ہے کیوں کہ اس کی بنیاد ضعیف و کمزور دلیل پر رکھی گئی ہے، اس لیے وہ ناقابل اعتنا ہے پھر ہمارے ملک کے طول و عرض میں کہیں حنبلی مذہب کے لوگ نہیں پائے جاتے، اس لیے یہاں اس کا ذکر قطعی بے معنیٰ ہے۔

اصل مسجد وقفی زمین ہے:

واضح ہو کہ مسجد صرف عمارت کا نام نہیں بلکہ در اصل "مسجد" وہ زمین ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے خاص ہوئی اور وہاں ہمیشہ نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ اس لیے اگر کبھی عمارتِ مسجد منہدم ہو جائے، یا منہدم کر دی جائے تو بھی وہ جگہ مسجد ہی رہے گی عمارت کے تباہ ہونے سے اس کی مسجدیت پر کوئی اثر نہیں آئے گا۔

چھٹی صدی ہجری کی مشہور کتاب فتاویٰ قاضی خان میں ایک حنفی فقیہ فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی (جن کی وفات ۵۹۲ھ میں ہوئی) نے لکھا ہے:

رَجُلٌ لَهُ سَاحَةٌ لَا بِنَاءَ فِيهَا، أَمَرَ قَوْمًا أَنْ يُصَلُّوا فِيهَا بِجَمَاعَةٍ فَهَذَا عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ : أَحَدُهَا إِمَّا أَنْ أَمَرَهُمْ بِالصَّلَاةِ فِيهَا أَبَدًا نَصًّا ، بِأَنْ قَالَ: صَلُّوا فِيهَا أَبَدًا، أَوْ أَمَرَهُمْ بِالصَّلَاةِ مُطْلَقًا وَنَوَى الْأَبَدَ،فَفِي هَذَيْنِ الْوَجْهَيْنِ صَارَتِ السَّاحَةُ مَسْجِدًا لَوْ مَاتَ لَا يُورَثُ عَنْهُ. [فتاوى قاضي خان ج: ٣، ص: ١٦٣، و فتاوى عالمگيري كتاب الوقف ، الباب الحادي عشر في المسجد، ج: ٢، ص: ٤٥٥، نوراني كتب خانه پشاور]

"کسی شخص کی خالی زمین ہے جس میں عمارت نہیں اس نے لوگوں کو کہا کہ اس میں ہمیشہ نماز با جماعت پڑھا کرو، یا یوں کہا کہ اس میں نماز پڑھو، اور نیت ہمیشگی کی تھی تو ان دونوں صورتوں میں وہ خالی زمین مسجد ہو گئی، موتِ واقف کے بعد بھی اس میں وراثت جاری نہ ہوگی جیسا کہ ذخیرہ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔"

چھٹی صدی ہجری کے ایک فقیہ علامہ برہان الدین محمود بن احمد بخاری معروف بہ ابن مازہ نے اپنی کتاب "المحیط البرہانی" میں فرمایا:

" المسجد اسم للبقعة لا تعلق له بالبناء والصلاة فيها ممكن بدون البناء." (المحيط البرهاني ، ج: ٦، ص: ١٠٥، كتاب الوقف، الفصل الحادي و العشرون في المساجد. المؤلف: برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري المَرْغِيناني الحنفي (المتوفى ٥٥١ - ٦١٦ هـ)

"مسجد زمین کے خطے کا نام ہے، اُس کا عمارت سے کوئی تعلق نہیں، اُس میں نماز عمارت کے بغیر ہو سکتی ہے۔"

اضطرار و سدّ باب:

واضح ہو کہ مسجد ہو یا کوئی چیز، جب تک زور آور کے قبضے سے اس کی واگزاری ممکن ہو مثلاً اپنے پاس بیّنہ ہو جس کی بنا پر چارہ جوئی ہو سکتی ہو، یا مقدمہ پہلے ہی سے قائم ہو تب تک اضطرار کی صورت نہیں پائی جاتی۔

غصب کردہ زمین میں نماز:

کسی کی زمین غصب کرنا مذہب اسلام میں سخت حرام و گناہ کبیرہ ہے اس لیے کسی کی غصب کردہ زمین میں نماز پڑھنا ناجائز و گناہ ہے اور نمازی پر فرض ہے کہ دوسری زمین پر دوبارہ نماز ادا کرے، یہاں تک کہ دوسرے کی زمین میں بلا اجازت نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لیے شرعاً یہ ممکن نہیں کہ کوئی مسجد دوسرے کی زمین پر غصباً تعمیر کی جائے اور مسلمان دانستہ اس میں نماز پڑھیں، الزام الگ چیز ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلامی معاشرت

اسلام میں مشورے کی اہمیت و افادیت

غلام ربانی شرف نظامی

مشورہ درحقیقت اسلام کے سیاسی نظام کا ایک اہم جزہے، عوام اپنے دیگر معاملات میں اور حکام امور مملکت کی انجام دہی میں اگر مشورے سے کام لیں، تو ندامت اور اس کے عظیم خسارے سے محفوظ ہو جائیں۔ عموماً کسی سے مشورہ اس وقت لیا جاتا ہے جب انسان کو اپنے ارادے میں پوری طرح یقین حاصل نہیں ہوتا، بلکہ تذبذب اور شش و پنج کی حالت میں مبتلا رہتا ہے، اس لیے انسان اپنے ارادے پر کھرے اترنے اور پختہ وثوق و اعتماد حاصل کرنے کے لیے کسی صاحب الرائے شخص سے مشورہ لیتا ہے، جب اپنے ارادے پر لوگوں سے تائید حاصل کرلیتا ہے تو پھر اپنے کام کے لیے آگے قدم اٹھاتا ہے، اور اگر مشیر اس کے ارادے پر مخالفت کرتے ہیں، تو ناکامی اور نامرادی کے خوف سے وہ اپنا ارادہ تبدیل کردیتا ہے۔

مشورہ کی اہمیت از روئے قرآن:

مشورے کی اہمیت و افادیت کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ قرآن عظیم میں "شوریٰ" نام کی ایک سورت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ چناچہ فرمان الٰہی ہے۔

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ- اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ.

ترجمہ: " اور (اے محبوب ﷺ) کاموں میں ان سے مشورہ لیتے رہو، پھر جب کسی بات کا پختہ ارادہ کرلو، تو اللہ پر بھروسہ کرو، بیشک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

(آل عمران آیت ۱۵۹)

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مشورہ کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا، کہ آپ ﷺ کو ان کے مشورے کی ضرورت تھی بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ انہیں مشاورت کی شان کا پتہ چل جائے اور اس میں آپ کے غلاموں کی دلداری بھی ہو جائے اور عزت افزائی بھی اور اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ مشورہ سنت ہو جائے گا اور آئندہ امت اِس سے نفع اُٹھاتی رہے گی۔ جیساکہ علامہ قرطبی، علامہ نسفی، ابن کثیر، امام سیوطی، اور دیگر مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہی لکھا ہے۔

پھر حکم ہوا کہ مشاورت کے بعد جب آپ ﷺ کسی چیز کا پختہ ارادہ کرلیں، تو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکل کرتے ہوئے اسی پر عمل کریں، اپنے مشورے اور عزم پر ہرگز بھروسا نہ کریں، کیونکہ جو اپنے تمام ارادوں میں صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات پر توکل کرتا ہے، تو وہ اس کے کاموں میں برکتوں اور رحمتوں کو انڈیل دیتا ہے، اور مستقبل کی ناکامی و نامرادی سے بچاکر کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے، نیز توکل کرنے والوں کو وہ بے انتہا وہ پسند بھی فرماتا ہے۔

توکل کے "معنی" ہیں، اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی پر اعتماد کرنا اور کاموں کو اُس کے سپرد کردینا۔ مقصود یہ ہے کہ بندے کا اعتماد تمام کاموں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ پر ہونا چاہیے، صرف اسباب پر نظر نہ رکھے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسہ کرے تو ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ اسے کافی ہوگا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو اور جو دنیا پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے سپرد فرمادیتا ہے۔ (مجم الاوسط، ۲/۳۰۲، الحدیث: ۳۳۵۹)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ پر جیسا چاہیے ویسا توکل کرو، تو تم کو ایسے رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر لوٹتے ہیں۔ (روہ الترمذی، الحدیث: ۲۳۵۱)

مشورہ کی اہمیت از روئے حدیث:

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مشورہ میری امت کے لیے رحمت بنادیا ہے، جو آدمی مشورہ کرتا ہے، وہ ہدایت سے محروم نہیں ہوتا، اور جو اسے ترک

کرتا ہے وہ گمراہی سے نہیں بچ سکتا:"

(شعب الایمان، رقم الحدیث، ۷۵۴۲)

مروی ہے:"کہ جب کوئی قوم کسی معاملے میں باہم مشورہ کرتی ہے تو مشورہ کی برکت سے عمدہ ترین کام کی طرف اس کی رہنمائی کی جاتی ہے:"(تفسیر طبری ج۴ص۱۰۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"مشورہ کرنے والا شخص کبھی حق سے محروم نہیں ہوتا اور اپنی ذاتی رائے کو کافی سمجھنے والا خود پسند شخص کبھی سعید نہیں ہوسکتا"(قرطبی ج۴ص۲۵۱)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ لوگوں سے مشورہ کرنے والا ہو"

(روہ الترمذی)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے زیادہ کسی قوم کو مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔

(رواہ الترمذی، رقم الدیث ۱۷۱۴)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:"کہ جب تم سے کوئی اپنے مسلمان بھائی سے مشورہ طلب کرے تو اسے مشورہ دے دے۔(ایضاً)

عہد نبوی میں مجلس شوری کے اجلاس:

انس بن مالک اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مدنی دور کے آغاز میں لوگ نماز کے اوقات اپنے اپنے اندازے سے متعین کرتے تھے ایک روز اس کے لیے مشورہ کیا گیا تو کسی نے یہود کے بوق (سینگ) کی تجویز پیش کی، اور کسی نے نصاریٰ کے ناقوس (چھوٹی لکڑی کو بڑی لکڑی پر مارنا) کی، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجویز پیش کی کہ ایک شخص کو مقرر کیا جائے جو نماز کے اوقات میں بلند آواز سے لوگوں کو بلائے، چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کام پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا"(رواہ البخاری، رقم الحدیث ۸۵،)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند آواز سے یہ کلمات فرمایا کرتے تھے بعد میں عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں اذان کے مروجہ الفاظ سے اور پھر آپ ﷺ نے انہی کلمات کے ساتھ اذان دینے کا حکم دیا۔

اس کے علاوہ بعض دیگر امور میں بھی مثلاً عسکری، قبائلی، سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاملات میں بھی نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ کام پوری چستی اور دلجمعی کے ساتھ انجام دیں۔

علامہ "ابن کثیر" نے عہد نبوی ﷺ کے ایسے کئی مشاورتی واقعات کو اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً جنگ بدر، کے موقع پر لشکر کی قیام گاہ کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت منذر بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دیا، غزوہ احد کے موقع پر بھی صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر دفع کرنا چاہیے یا باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے، تو اکثر صحابہ کرام نے مدینے سے باہر مقابلے کی رائے دی، اور آپ نے ان کے مشورے پر عمل کیا، اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اس سال مدینے کی پیداوار کا تیسرا حصہ دے کر ان گروہوں سے صلح کرلی جائے لیکن حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہم کی رائے مختلف تھی، اس لیے آپ نے صلح کی تجویز کو ترک کردیا، اسی طرح حدیبیہ کے دن اس معاملے میں مشورہ کیا کہ کیا مشرکین کے گھروں پر حملہ کردیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی بات منظور کرلی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا:"اے مسلمانو! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میرے اہل خانہ کے بارے میں تہمت لگائی۔ قسم بخدا میرے علم میں میرے اہل خانہ نے کوئی برائی نہیں کی۔ مزید فرمایا کہ: میں اپنے اہل خانہ کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ الغرض آپ ﷺ جنگ اور دیگر معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔(تفسیر ابن کثیر، الجزء الثانی، ص ۱۳۱)

عہد صحابہ میں مجلس شوری کا قیام:

اسی طرح آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔ انہیں مومنین کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے۔ ترجمہ:" اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں"

(سورۃ الشوری آیت ۳۸)

اس آیت مقدسہ کی عملی تفسیر اصحاب رسول ﷺ کے حالات زندگی میں دیکھی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے ذاتی امور میں اپنے احباب سے ہمیشہ مشورہ لیا کرتے تھے اور اجتماعی و قومی امور بھی مشورے ہی سے انجام دیتے تھے۔ جیسا کہ کتب سیر و تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کا انتخاب مشورے سے عمل میں آیا، پھر ان تمام خلفائے اپنی اپنی مدت خلافت تک باہمی مشاورت سے ہی امور مملکت کو

انجام دیتے رہے۔ لیکن خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں باقاعدہ جلیل القدر صحابہ پر مشتمل مجلس مشاورت قائم فرماکر اسلام کے سیاسی نظام اور اسلامی حکومت کے ہر کام میں گویا قیامت تک کے لیے ایک نظم پیدا کردی، پھر تو اسلامی حکومت کے دینی، قانونی، جنگی، سیاسی، یعنی ہر قسم کے مسائل اسی مجلس مشاورت میں پیش کئے جانے لگے جہاں متعدّد صحابہ کی رائے کے بعد امور طے پاتے تھے۔ اسی مجلس مشاورت کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ قیصر و کسری کے مقابلہ کے لیے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بنفس نفیس جانے کا فیصلہ فرمایا، لیکن جب مجلس شوری میں یہ بات رکھی گئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی اور نامناسب قرار دیا۔ ممبران شوری نے آپ کی تائید کی لہذا اسی پر عمل ہوا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف نہ لے گئے۔

مشورہ میں اسلامی احکام سے روگردانی باعث ندامت: البتہ جب کبھی شوری اللہ و رسول کے خلاف مشورہ دے تو اس کو رد کرکے حکم الٰہی اور مرضیِ رسول پر عمل کیا جائے۔ ورنہ خلاف ورزی کی صورت میں دنیا و آخرت میں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کا خاص خیال رکھا کرتے تھے، جیسا کہ مرض وصال سے چند روز پہلے کا واقعہ ہے جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بستر علالت پر تھے، اسی دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملک شام کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ فرمایا، جس کے سالار حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتخب کیے گئے، اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسے بہادر صحابہ بھی تھے جن کے ناموں سے کفاروں کے پیروں تلے سے زمینیں کھسک جاتی تھیں۔ روانگیِ لشکر سے کچھ روز پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ پھر جب یار غار محبوب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر جلوہ بار ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے جو حکم جاری فرمایا وہ اس لشکر کی روانگی کا تھا، تو متعدّد صحابہ نے اس حکم کو خلاف احتیاط سمجھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا کہ اس لشکر کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سن کر مدینہ پر دشمن حملہ کردے پھر تو ایسی صورت حال میں مدینہ کی سلامتی کا تحفظ کرنا ہمارے لیے مشکل ہوجائے گا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔"

"قسم بخدا! اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ اس لشکر کی روانگی کے بعد مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا یا مجھے زمین نگل جائے گی تب بھی اسے ضرور روانہ کروں گا اور حضور علیہ السلام کے ارادے کے خلاف ہرگز قدم نہ اٹھاؤں گا۔

اسی طرح منکرین زکوۃ کے خلاف فیصلہ فرمایا، تو صحابہ کرام نے اس کو بھی خلاف مصلحت قرار دیا اور نرمی سے پیش آنے کا مشورہ دیا، لیکن آپ نے قرآن و حدیث کے فیصلے کے مطابق فرمایا، کہ شریعت کے کسی رکن کا بھی منکر مرتد ہے جس کی سزا قتل کے سوا کچھ بھی نہیں مجھے کسی شرعی حکم میں نرمی اور تبدیلی کا اختیار نہیں۔

مشورے میں دو اہم باتیں قابل غور:

مشورے کے سلسلے میں دو اہم باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ مشورہ "صاحب الرائے" لوگوں سے لیا جائے یعنی ایسے لوگوں سے جو صحیح رائے دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں نیز قابل اعتماد ہوں اور جس معاملے میں ان سے مشورہ لیا جا رہا ہے وہ اس کا پورا علم رکھتا ہو مثلاً صحت سے متعلق مشورے کی ضرورت ہو تو ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو امراض اور اس کے علاج سے واقف ہوں۔ قانون کے سے متعلق رائے لینی ہو تو قانون داں لوگوں سے رابطہ کیا جائے۔ ملکی قومی معاملہ ہو تو امور مملکت سے واقف لوگوں کو مشیر بنایا جائے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: "کہ عقل مند آدمی سے مشورہ لو اور اس کے خلاف نہ کرو ورنہ ندامت اٹھانی پڑے گی۔ (احکام القرآن ۱/۴۵۱)

ہم آج اس لیے ندامت اٹھا رہے ہیں کہ اولاً تو ہم کسی سے مشورہ کرتے ہی نہیں، کرتے بھی ہیں تو مانتے نہیں اپنی من مانی ہی کرتے ہیں۔ اور حکام اپنا مشیر ان لوگوں کو بناتے ہیں جو چاپلوس اور خوشامدی ہو۔ ان کا مشورہ "جی حضور" سے آگے نہ بڑھتا ہو، اپنے منصب کے تحفظ، مراعات کے لالچ میں یہ ظالم کبھی سوچتے کہ سرکار کے اس فیصلے سے قوم کو کیا نقصان ہوگا۔ یا خود سرکار کا کیا حشر ہوگا۔

اور دوسری بات یہ کہ مشورہ دینے والے پر بھی بڑی اہم ذمہ داری عائد کی گئی ہے چونکہ غلط مشورہ دینا دھوکہ ہے اور مشورہ کبھی خفیہ طور پر بھی کئے جاتے ہیں جس کا کسی مصلحت شرعی کی بنیاد پر چھپانا ضروری ہوتا ہے، مشیر کے اندر یہ عادت ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ ادھر راز دار بن مشورہ دے اور دوسری طرف لگا دے، حدیث شریف میں ارشاد ہوا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں: "کہ جب تم سے کوئی اپنے مسلمان بھائی سے مشور طلب کرے تو اسے (صحیح صحیح) مشورہ دے دے۔ (ایضا)

..................................(باقی ص:41/پر)

شعائر

مجھے ہے حکمِ اذاں

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

قرآن مجید واحادیث طیبہ میں اذان کا ذکر موجود ہے اور تاریخ میں بھی کئی عبرت ناک ودلچسپ واقعات ہیں ، امام زہری فر ماتے ہیں کی قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ اذان کی اہمیت وفضیلت بیان کرتی ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

ترجمہ: اس سے اچھی بات کس کی جو اللہ کی مخلوق کو نیکی کیطرف بلائے اور نیک کام کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں ہوں۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اول حضور پر نور ﷺ مراد ہیں آپ کے صدقے صحابۂ کرام، اولیاے کرام، علماے کرام، جو تبلیغ کریں اور موذن وتکبیر کہنے والے اور ہروہ مومن جو اللہ کی مخلوق کو نیکی کی طرف بلائے۔

معلوم ہوا رب العزت کو اس کی بولی بڑی پیاری معلوم ہوتی ہے جو دعوت خیر دے، اللہ تعالیٰ کا وہ محبوب بندہ ہے۔ چنانچہ مؤذن کو اس فہرست میں اول FIRST بتایا گیا ہے جو اذان دیتے ہیں بھلائی (عبادت) کی طرف بلاتے ہیں اور خود بھی اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

مسلم شریف میں ہے: قیامت کے دن موذن سب سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔ سنن میں ہے امام ضامن ہے اور موذن امانت دار ہے اللہ تعالیٰ اماموں کو راہ راست دکھائے اور موذنوں کو بخشے۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اذان دینے والوں کا حصہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد کرنے والوں کے حصے کے برابر ہے۔ اذان واقامت کے درمیان ان کی وہ حالت ہے جیسے کوئی جہاد میں راہِ خدا میں اپنے خون میں لوٹ پوٹ رہا ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر میں موذن ہوں تو پھر مجھے حج وعمرہ اور جہاد کی اتنی زیادہ پرواہ نہیں رہتی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کی رسول کریم ﷺ نے تین بار موذن کی بخشش کی دعا مانگی اس پر میں نے کہا حضور ﷺ آپ نے اپنی دعا میں ہمیں یاد نہ فرمایا حالانکہ ہم اذان کہنے پر تلواریں تان لیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! لیکن اے عمر ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ موذن غریب مسکین لوگوں تک رہ جائے گا، سنو عمر جن لوگوں کا گوشت پوشت جہنم پر حرام ہے ان میں موذن ہیں۔

اذان کے مخالف کا عبرت ناک انجام:

تفسیر نور العرفان میں ہے امام سُدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مدینہ منورہ میں ایک عیسائی رہتا تھا جب موذن کہتا ہے: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ تو یہ کہا کرتا تھا "جل جائے جھوٹا" معاذ اللہ، اللہ کی شان اس کا خادم ایک رات آگ بجھانا بھول گیا گھر والے سب سو گئے آگ میں شعلہ اٹھا اور وہ نصرانی (عیسائی) اور پورے گھر والے جل گئے، اذان سے دشمنی رکھنے والے آج بھی موجود ہیں طرح طرح کی بکواس کرتے رہتے ہیں اللہ کے عذاب سے وہ بچ نہیں سکتے ، اوپر مذکورہ آیت سے اذان کا ثبوت ہے۔

حدیث ملاحظہ فرمائیں ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اس آیت میں موذن کی تعریف ہے اس کا حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کہنا اللہ کی طرف بلانا ہے۔

حضرت عکرمہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ موذن کے بارے میں اتری۔، اور آیتیں بھی قرآن مجید میں اذان ومؤذن کی فضیلت پر شاہد ہیں، سورہ مائدہ ۵، آیت ۵۸، سورہ جمعہ ۶۲، آیت ۹، وغیرہ۔

اذان کی ابتدا:

ابتداے اسلام میں نماز کے لیے بلانے کا کوئی خاص طریقہ متعیّن نہیں تھا۔ جب مسلمان زیادہ ہوگئے تو مشورہ ہوا کہ ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان ہو جسے سب لوگ سمجھ لیں۔ کچھ لوگوں نے ذکر کیا کہ آگ روشن کی جائے یا نرسنگا کے ذریعہ اعلان کریں ۔امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم اور عبد اللہ بن زید بن عبد رَبّہٖ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان خواب میں تعلیم ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ خواب سچ ہے حق ہے" اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "جاؤ بلال کو تلقین کرو، وہ اذان کہیں کہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔" اس حدیث کو ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی نے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا: کہو اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں کرلو، کہ اس سبب آواز بلند ہوگی"

(بخاری، حدیث ۶۰۶، اس حدیث کو ابن ماجہ نے عبدالرحمن بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان، حدیث ۴۹۹، ابن ماجہ حدیث ۱۰۷، صحیح مسلم، حدیث ۳۸۷، بہار شریعت ج ۳، ص ۴۵۸)

تاریخ کی اہمیت:

علامہ ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے "جس طرح زندگی میں حافظہ کی زبر دست اہمیت ہے حافظہ (یاد داشت) اگر گم ہو جائے یا بالکل ختم ہو جا ئے تو اس کی زندگی اس کے لیے بے معنی ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک قوم یا ملت کی زندگی میں تاریخ کی زبردست اہمیت ہے، کیوں کہ اگر اس کی تاریخ گم ہو جائے گی یا گمنامی میں چلی جائے گی، دفن ہو جائے گی تو اس قوم کی زندگی بھی بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گی، تاریخ کے اوراق میں بہت سے واقعات درج ہیں ایک عبرت ناک اور دلچسپ جوش ایمانی سے لبریز واقعہ مطالعہ فرمائیں مسلمانوں نے اذان اللہ کی آواز کو کس طرح جان کی قربان دے کر بھی بلند کیا تاریخی اذان اعلان توحید اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وہ منظر بہ منظر، قیامت قیامت، پیر محمد مخدومی لکھتے ہیں دنیائے اسلام کی تاریخ کی وہ اذان جس کو ۲۲ شہادتوں کا شرف حاصل ہوا، ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء شہدائے اذان (کشمیر) کا پس منظر ۲۹ اپریل ۱۹۳۱ء کے دن سے شروع ہوتا ہے جب جموں کے میونسپل باغ میں عید الاضحی کی نماز ادا کرنے کے لیے جمع مسلما نوں کو نماز ادا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ امام مفتی محمد اسحاق نقشبندی عید کا خطبہ پڑھ رہے تھے کہ کھیم چند نامی ڈوگرا پولیس کے ایک اہل کار نے انھیں خطبہ دینے اور مسلمانوں کو نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ کشمیر بھر کے مسلمان اس بلاوجہ اور کھلی زیادتی اور اپنی مذہبی آزادی پر سنگین حملے پر مشتعل ہو گئے ۲۵ جون ۱۹۳۱ء کو سری نگر میں توحید کے متوالوں نے ڈوگرا راج اور اس کے ظلم وستم کے واقعات کے خلاف مظاہرہ کیا اور بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں عبدالقدیر نامی توحید کا متوالا ایک نوجوان اپنی جگہ سے اٹھا اور بلند آواز میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور کہا کہ "اب ڈوگرا راج کا سورج غروب ہونے کو ہے۔ (کشمیر کے) توحید کے متوالے مسلمانوں کے لیے عمل کا وقت آچکا ہے اور اب وہ کسی صورت میں بھی ڈوگرا راج کی اسلام اور مسلمان دشمنی کے واقعات کو برداشت نہیں کریں گے" ڈوگرا راج کے اہلکاروں نے عبدالقدیر نامی اس نوجوان کو اسی شام گرفتار کر لیا اور اس پر ڈوگرا راج کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کر لیا گیا۔ عوام کے غم و غصہ کے خوف سے ڈوگرا راج نے جیل کے اندر ہی مقدمہ کی کاروائی کا فیصلہ کر لیا جبکہ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ عبدالقدیر کا مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے تاکہ وہ بھی مقدمہ کی سماعت میں شریک ہو سکیں۔ ۱۳ جو لائی ۱۹۳۱ء کا دن آیا عبدالقدیر کے مقدمہ کی کارروائی سری نگر کی مرکزی جیل کے اندر جاری تھی جبکہ جولائی کی گرمی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی جیل کے باہر لاکھوں مسلمان اس کارروائی کو دیکھنے کی غرض سے جمع تھے اور مطالبہ کر رہے کہ مقدمہ کی کارروائی عدالت میں میں کی جائے۔ اسی دوران ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا شمع توحید کے ان متوالوں نے نماز ظہر ادا کرنے کے لیے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دیں۔ حاضرین میں ایک توحید کا متوالا مرکزی جامع مسجد سری نگر میں اذان دینے کے لیے کھڑا ہوا، ابھی اللہ اکبر کی صدا فضا میں گونجی ہی تھی کہ اس کے ساتھ گولی چلنے کی آواز بھی سنائی دی۔ موذن کو گولی ماردی گئی تھی، شمع توحید کے پہلے پروانے (کشمیری) کو شہادت کا درجہ مل چکا تھا مگر شمع توحید کے متوالے (کشمیری) اس اذان کا نامکمل کیسے رہنے دیتے حاضرین میں سے شمع توحید کا دوسرا متوالا آگے بڑھا تاکہ باقی اذان مکمل کرے تو اللہ اکبر کی دوسری صدا کے ساتھ ہی دوسری گولی نے اس موذن کو بھی خون میں لت پت کر دیا مگر توحید کے متوالے اس جوشیلے ہجوم میں سے کسی کو یہ قبول نہ تھا کہ انھوں نے جس نماز کی نیت کی ہے اس کی اذان پوری نہ ہو پائے۔ اسطرح یکے بعد دیگر اذان کے الفاظ ادا ہوتے رہے آواز توحید بلند ہوتی رہی اور شمع توحید کے متوالے (کشمیری) جام شہادت نوش کرتے رہے، تاریخ اسلام کی اس یادگار اور انوکھی اذان کو مکمل کرنے کے لیے ۲۲ بائیس مسلمانوں نے اپنے خون کی قربانی پیش کی اور اپنے عزم سے یہ ثابت کر دیا کہ اعلان توحید اذان کو کوئی بند نہیں کر سکتا یہ ایمان والوں کے لیے سرمایۂ حیات ہے۔ ان شہدائے کرام کی تدفین میں لاکھوں لاکھ کا مجمع تھا نماز جنازہ پڑھانے والے پیر محمد افضل مخدری نقش بندی، مولانا

محمد یوسف، مولانا عبدالقدوس، ماسٹر عبداللہ، خصوصی واعظین کرام حاجی اسداللہ، درال خواجہ احمد وغیرہ ہوامیں پھول اڑاتے نعت پڑھتے، نظم پڑھتے۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو ہٹ جاؤ دیدو راہ جانے کے لیے

پڑھتے پڑھاتے جاکر تدفین فرمائی یہ ایمان افروز داستان بہت لمبی ہے۔(تفصیل کے لیے ۱۳ جولائی کشمیر عظمیٰ کا شمارہ پڑھیں)

اذان اللہ کے بندوں کو فلاح (بھلائی، نیکی، نجات، سلامتی،) کی طرف بلانے کا پیغام ہے پورے دن میں پانچ بار میں مشکل سے ۱۰ منٹ ہی لگتے ہیں افسوس اذان کی یہ آوازیں ان لوگوں پر بڑی گراں گزرتی ہیں، جو اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں سے ہمیشہ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اسی لیے جب کب مسجدوں سے لاؤڈ سپیکر اتارنے کی بات کرتے ہیں بیمار ذہن کے لوگ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے عدالتوں میں کیس درج کیے ہیں NATIONAL GREEN TRIBUNAL میں حال ہی میں ایک عرضی داخل کی گئی ہے، این جی ٹی کے چیئرمین جسٹس سوتنتر کمار نے دہلی سرکار اور دہلی پالوشن کنٹرول کمیٹی کو حکم دیا ہے کہ ضابطوں کے خلاف ورزی کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جائے اس عرضی کا نپٹارہ کرتے ہوئے ٹریبونل نے مسجدوں کی جانچ کا حکم دیا ہے کہ وہاں سے تیز آواز تو نہیں آرہی ہے۔ غیر سرکاری تنظیم اکھنڈ بھارت مور چانے کئی جگہ کیس دائر کئے ہیں ان کا مقصد مسلمانوں کو پریشان کرنا ہے، مسلمان تو پریشان ہیں لیکن یاد رکھیں یہ اللہ اکبر کی صدا تا قیامت بند نہیں ہوگی یہ قدرتی نظام صبح قیامت تک چلتا رہے گا۔ بہت پیاری بات ڈاکٹر اقبال نے کہی ہے۔

خو دی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الااللہ
یہ نغمہ فصلِ گل ولا لہ کا نہیں پابند
بہار ہوکہ خزاں ،لا الہٰ الااللہ
یہ دوراپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں ، لا الہ الااللہ
کیا ہے تونے متاع غرور کا سودا
فریب سود وزیاں ،لاا لہ الا للہ
یہ ما ل و دولت دنیا، یہ رشتہ وپیوند
بتاں وہم و گماں ،لا ا لہ الا للہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں ،لا الہ الااللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں ،لا ا لہ الا اللہ

اعلان توحید اذان ہمیشہ بلند ہوتی رہے گی، اذان پکارنے والے موذن وامام کی بہت فضیلتیں ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کی وہ اللہ کے گھر ”مسجد“ کا احترام کریں اور ”امام“ و ”موذن“ کا خیال کریں وہ بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں اور ہم پر ان کی خبر گیری رکھنا اسلامی واخلاقی فریضہ ہے امام مؤذن کی ذمہ داری سے لیکر بچے کی پیدائش کے بعد اذان اقامت سے لے کر نکاح، گھر میں بیماری سے لے کر جنازہ تک دفن سے لے کر ایصال ثواب تک ہر ہر قدم پر امام و مؤذن اپنی ذمہ داری نبھاتے ہیں ہمارا دینی و اخلاقی فریضہ ہے کی ہم بھی ان کے سکھ دکھ میں قدم قدم پر ساتھ دیں ذرا نظریں اٹھاکر دیکھیں دنیا کے ہر شعبے میں لوگوں کی کیا تنخواہیں ہیں، یہاں تک مزدوروں کی مزدوری کتنی ہے ماہانہ کتنی آمدنی ہے لیکن افسوس صد افسوس آج امام و موذن مسجد کے خدمت گزاروں کی تنخواہیں انتہائی کم ہیں، چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے (الا ماشاء اللہ) ہر جگہ برا حال ہے۔ قوم یہ سمجھتی ہے امام و موذن کو قومِ موسیٰ کی طرح من و سلویٰ اترتا ہے۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، انگریزوں نے جان بوجھ کر امام مسجد کی تنخواہ، خاکروب کے برابر مقرر کر کے اسلام سے بیزاری کا ثبوت دیا تھا، انگریز تو چلے گئے لیکن اب ہم مسلمان ہوکر بھی اپنے امام و مؤذن کو ان کا حقیقی مقام دینے کو تیار نہیں۔

مسلمانوں کو اماموں، مؤذنوں کو سرکاری TEACHERS کے برابر تنخواہ دینا چاہیے اور ریٹائر ہونے یا معذور ہونے پر معقول پنشن دینا چاہیے تاکہ امام اور مؤذن جو مسلم معاشرے کا باوقار (عہدہ) حصہ ہے اسے بھی معاشرے میں عزت اور وقار سے زندہ رہنے کا حق ہے اسے حاصل ہونا چاہئے، مسجد کے ذمہ داران و اہل محلہ اس طرف سنجیدگی سے سوچیں اور عمل کریں ورنہ اللہ کے یہاں پکڑ ہوگی تیار رہیں اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق دے آمین ثم آمین۔

---*---*---*---

تذکرہ

ہندوستان کی چند عظیم چشتی خانقاہیں

مختصر تعارف و خدمات

مولانا محمد عابد چشتی

وعظ و نصیحت کی محفلیں ہوں، درس و تدریس کی انجمن یا پھر تصنیف و تالیف کی رنگارنگی، مذہبی میدان کی یہ ساری جد و جہد جس عظیم مقصد کی طرف لوٹتی ہیں وہ ہے اسلام کی تبلیغ، اسی مقصد کے لیے کسی نے وعظ و خطاب کو ذریعہ بنایا تو کسی نے درس گاہ سنبھالی وہیں کسی نے تصنیف و تالیف کے میدان میں اپنی جولانی کا مظاہرہ کیا اور سینکڑوں کتابیں تحریر کرکے تبلیغ اسلام کا دائمی اثاثہ محفوظ کرنے کا فریضہ انجام دیا مگر ہندوستانی تاریخ کے پس منظر میں کسی قسم کی عقیدت کی آمیزش کے بغیر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہاں آٹھ سو سالہ تاریخ میں کسی واعظ کے وعظ، مدرس کے درس اور مصنف کی تصنیف نے اشاعت اسلام کا اتنا بڑا کام نہیں کیا ہے جس پیمانہ پر سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کی مساعی جمیلہ اور ان کی تبلیغ نے انجام دیا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی تک جس مرکزی نظام کے تحت اسلام و سنیت کی اشاعت کی گئی وہ تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے جسے پڑھ کر ہندوستان کا ہر مسلمان خواہ اس کا تعلق کسی بھی طبقہ سے ہو "چشتی" احسان کا بار اپنے اوپر ضرور محسوس کرے گا۔

خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے خلفا نے ٹیم ورک کے انداز میں اسلام کی نشریاتی مہم چلائی تھی، دہلی کی سرزمین پر روحانیت کا سبق پڑھایا جاتا اور جیسے ہی کسی کی تکمیل ہوتی فوراً ان علاقوں کی طرف روانہ کردیا جاتا جہاں اسلام کے تعارف کی ضرورت ہوتی۔ اتر پردیش، بہار، بنگال، گجرات، پنجاب، آسام، کرناٹک، مہاراشٹر، کشمیر ہندوستان کا وہ کون سا خطہ ہے جہاں مشائخ چشت کے قدم نہ پڑے ہوں اور یہ حضرات جہاں بھی پہنچے لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو اسلام کا گرویدہ بناتے گئے۔ ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں موجود سلسلہ چشتیہ کی خانقاہیں اسی سنہرے دور کی یادگار ہیں جب چشتی بزرگوں کی کوششوں سے اسلام کا تبلیغی مشن اپنے شباب پر تھا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ اسلام حضرت خواجہ غریب نواز سے پہلے ہی ہندوستان کے علاقوں میں داخل ہوگیا، جیسے حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ وغیرہ بزرگوں کو ایک ہزار سال سے زیادہ کا زمانہ ہورہا ہے۔

آٹھ سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی وہ خانقاہیں اپنے بزرگوں کی چھیڑی ہوئی مہم کو فروغ دینے میں لگی ہوئی ہیں اس طرح یہ کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ اسلام و سنیت کو پھیلایا بھی چشتیوں نے ہے اور اس کی حفاظت کی خدمت بھی وہی انجام دے رہے ہیں آنے والے سطور میں ہم ہندوستان میں پھیلی انھیں خانقاہوں میں چند کا اختصار کے ساتھ تعارف کرانے جارہے ہیں جس کے ضمن میں یہ اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ چشتی خانقاہیں اپنے مشن کے تئیں کس قدر سرگرم ہیں!

خانقاہ چشتیہ معینیہ اجمیر معلّٰی (راجستھان)

ہندوستان کی یہ پہلی چشتی خانقاہ ہے جس کی بنیاد شہنشاہ ولایت خواجہ خواجگاں خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست اقدس سے رکھی گئی، اس خانقاہ نے اپنے عہد میں روحانی، مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے جو انقلاب برپا کیا اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۳۶ھ مقام ہرات کے قریب سیستان نامی علاقے میں پیدا ہوئے پندرہ سال کی عمر میں والد محترم سید غیاث الدین علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا اس کے بعد کئی سال تک آپ سمرقند و بخارا میں تحصیل علم میں مشغول رہے۔ علم ظاہری تکمیل کے بعد علم، باطنی اور روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۵۶۲ھ میں نیشاپور جاکر خواجہ عثمان ہارونی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بیس سال تک خدمت میں رہ کر علوم باطنی سے سیراب ہوتے رہے اس کے بعد مرشد کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے جہاں پر نبی کریم ﷺ نے آپ کو ہندوستان میں دین کی تبلیغ کا حکم فرمایا آپ وہاں سے بغداد، ہمدان، تبریز، خرقان، بلخ، غزنی،

استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا abid.chishti@rediffmail.com

لاہور اور دلّی ہوتے ہوئے اجمیر شریف میں اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لائے۔ جس عہد میں خواجہ غریب نواز ہندوستان آئے اس عہد میں ہندوستان میں عام طور پر کفر و شرک اور فواحش و منکرات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا مگر آپ کی مساعی، محنت اور روحانی قوت سے بہت جلد ہندوستان میں اسلام کا بول بالا ہو گیا اسی زمانہ میں آپ نے اس جگہ خانقاہ چشتیہ معینیہ کی تعمیر فرمائی جہاں آپ کا مزار مبارک ہے۔

آپ کی خانقاہ ہر خاص و عام کے لیے کھلی ہوئی تھی غربا، فقرا، ہندو مسلم سب خانقاہ میں آتے اور اپنی مراد کو پہنچتے۔ خواجہ غریب نواز کے بے شمار خلفا ہوئے جن میں بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۲) خواجہ فخر الدین فرزند ارجمند (۳) شیخ وجیہ الدین (۴) خواجہ برہان الدین عرف بدو (۵) شیخ احمد (۶) شیخ محسن (۷) خواجہ سلیمان غازی (۸) شیخ شمس الدین (۹) شیخ صدر الدین کرمانی (۱۰) خواجہ حسن خیاط۔

یہ حضرات آپ کے خلفا بھی تھے اور اسلام کے مبلغ بھی اس طرح ایک طرف ان حضرات سے سلسلہ چشتیہ کو فروغ ملا تو دوسری طرف اسلام کو وسعت ملی۔

خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے ۶ر رجب ۶۳۳ھ میں وصال کے بعد سید فخر الدین گردیزی علیہ الرحمہ جو آپ کے خادم خاص و مرید تھے انھوں نے آستانہ خواجہ کی تعمیر و توسیع اور دیگر امور کو سنبھالا اور خانقاہ کے فیضان کو مسلسل رکھنے کی پوری کوشش کی اور آج تک خانقاہ غریب نواز سے دینی، سماجی اور فلاحی کاموں کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ خانقاہ خواجہ پر موجود تمام خدّام جو سید فخر الدین گردیزی کی اولاد و اجداد ہیں وہ خواجہ غریب کے مشن اور تعلیمات کو پھیلانے میں تن من دھن سے لگے ہوئے ہیں۔ خانقاہ خواجہ غریب نواز کی متحرک تنظیم ”انجمن معینیہ فخریہ خدام خواجہ صاحب سیدزادگان“ کے تحت مندرجہ ذیل خدمات چل رہی ہیں:

(۱) عثمانیہ خواجہ سکنڈری اسکول (۲) تعلیمی وظائف (۳) وظائف بیوگاں (۴) دینی مدرسہ کا قیام (۵) ایک سو گیارہ مدرسوں کی تنخواہ (۶) سال میں سینکڑوں مذہبی تقریبات کا انعقاد۔

خواجہ غریب نواز نے اپنی خانقاہ میں خدمت خلق، مساوات، ہندو مسلم اتحاد اور سماجی ہم آہنگی کی جو فضا قائم کی تھی آستانہ خواجہ پر آج بھی وہی فضا قائم ہے۔ ہندوستان کی یہ پہلی چشتی خانقاہ تھی جہاں کے تربیت یافتہ افراد نے پورے ہندوستان میں روحانیت کا جال بچھا کر کفرستان کو دار الاسلام بنا دیا۔

خانقاہ چشتیہ سرکار شاہ میراں کھمبات (گجرات)

رواں صدی میں صوبہ گجرات میں سلسلہ چشتیہ کی نشر و اشاعت اور مسلک و مذہب کی تبلیغ میں خانقاہ چشتیہ سرکار شاہ میراں کھمبات گجرات اہم رول ادا کر رہی ہے۔

یہ خانقاہ سرکار شاہ میراں سید علی وسید ولی کی طرف منسوب ہے۔ آپ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ ۵۵۸ھ میں بغداد میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۵۶۸ھ میں آپ کی والدہ آپ کو لے کر کھمبات تشریف لائیں اور یہیں سکونت اختیار کر لی اس وقت آپ کی عمر ۱۰ر برس کی تھی، آپ اپنے والد محترم سید ابوالفضل محمد کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ آپ نے ۵۹۰ کے قریب خانقاہ کی تعمیر کی ۶۴۱ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ سید علاء الدین رضی اللہ عنہ آپ کے اول جانشین اور خلیفہ ہیں۔

خلافت و سجادگی کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے جس میں موجودہ سجادہ نشین ابوالجامی سید رئیس اشرف اشرفی ہیں۔ آپ خاص طور سے ہندوستان کے ساتھ ساتھ عرب کے علمائے اہل سنت کے درمیان روابط میں کوشاں ہیں جو بلاشبہ آپ کا قابل تحسین کارنامہ ہے۔ آپ کی زیر سجادگی مندرجہ ذیل خدمات ہوئی ہیں۔

(۱) مسجد الاولیا (۲) جامعہ فیضان اشرف رئیس العلوم (۳) مدرسہ قادریہ دار العلوم اہل سنت فیضان سرکار شاہ میراں للبنات (۴) رئیس ملت لائبریری (۵) شاہ میراں کمپیوٹر ایجوکیشن سینٹر۔

خانقاہ چشتیہ میرانیہ کا حال جس قدر درخشندہ ہے اسی قدر اس کا مستقبل بھی تابناک نظر آرہا ہے اس لیے کہ خانقاہ کے ولی عہد علامہ سید جامی اشرف ثقافی اپنی ذمے داریوں کے تئیں کافی متحرک و فعال ہیں۔ حسام الحرمین پر موجودہ علمائے عرب کی تصدیقات کا تاریخی کارنامہ آپ انجام دے چکے ہیں جسے تمام علمائے اہل سنت نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور انھیں دعاؤں سے نوازا۔

خانقاہ چشتیہ واسطیہ (بلگرام شریف)

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں جن خانقاہوں نے مذہبی او رروحانی تبلیغ میں نمایاں کردار ادا کیا ان میں خانقاہ چشتیہ واسطیہ بلگرام شریف کا نام سرفہرست ہے۔ شہزادہ رسول حضرت سید محمد صغریٰ واسطی قدس سرہ نے قصبہ بلگرام میں اس مقدس خانقاہ کی بنیاد ۶۱۵ھ کے آس پاس رکھی تھی۔ آپ کا تعلق زیدی سادات سے ہے جو محمود غزنوی کے

عہد میں عراق کے شہر واسطہ سے ہندوستان وارد مرکز ہوئے۔

حضرت سید محمد صغری واسطی رضی اللہ عنہ ۵۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار شمس الدین التمش کے مقربین میں ہوتا تھا۔ آپ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید خاص اور ان کے خلیفہ و مجاز تھے۔ آپ کی آمد سے پہلے بلگرام کفر و شرک کا اڈہ بنا ہوا تھا جس پر راجہ شری کی حکومت قائم تھی۔ خواجہ محمد صغریٰ واسطی رضی اللہ عنہ نے اسلام کی سربلندی اور تبلیغ کے لیے بلگرام کی سرزمین کا انتخاب فرمایا اور پیر و مرشد سے اجازت لے کر التمش کی فوج لے کر بلگرام کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ ۶۱۴ھ کی بات ہے آپ کو فتح نصیب ہوئی۔ فتح بلگرام کے بعد آپ وہیں سکونت پذیر ہوگئے اور خانقاہ چشتیہ واسطیہ کی بنیاد رکھ دی۔ تب سے لے کر آج تک عہد بہ عہد آپ کے جانشیں آپ کے مشن کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ خانوادہ بلگرام کی شاخ میں مارہرہ مطہرہ و مسولی شریف کے سادات کرام ہیں۔

موجودہ عہد میں حضرت سید اویس مصطفی چشتی کی سرپرستی میں خانقاہ علاقہ بھر میں احیائے دین، اصلاح معاشرہ اور فروغ مسلک اہل سنت میں لگی ہوئی ہے۔ سید اویس مصطفی واسطی صاحب سجادہ خانقاہ چشتیہ واسطیہ خواجہ محمد صغریٰ واسطی رضی اللہ عنہ کی نسبی و روحانی امانتوں کے امین سجادہ نشیں اور اکیسویں جانشیں ہیں۔ فی الحال خانقاہ کے زیر اہتمام ”دار العلوم دعوۃ الصغریٰ“ اور تصنیفی کاموں کے لیے ”شعبۂ نشر و اشاعت“ کا قیام ہو چکا ہے۔

حضرت سید اویس مصطفی قادری چشتی مسلک اہل سنت میں اپنے تصلب کے لیے جانے جاتے ہیں۔ ہردوئی جو فرقہ دیوبندیہ اور وہابیہ کا گڑھ ہے وہاں ۱۲ویں شریف کو بلگرام میں جلوس نکالنے کے بعد ۱۳؍ ربیع الاول کو جلوس نکالنے کے لیے جاتے ہیں جبکہ آپ کو کئی مرتبہ جان سے مارنے کی دھمکی بھی مل چکی ہے مگر آپ سب سے بے پرواہ ہو کر مسلک اہل سنت کا پیغام پہنچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بلگرام شریف سے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کرتے ہیں:

آسماں عینک لگا کہ مہر و ماہ کی دیکھ لے
جلوۂ انوار حق ہے صبح و شام بلگرام

(مزید تفصیل کے لئے دیکھیں ”اللہ والے بلگرام کے“)

خانقاہ چشتیہ نظامیہ (دہلی)

شہنشاہ ہندوستان خواجہ معین الدین اجمیری رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں مذہبی اور روحانی انقلاب کے جس مشن کا آغاز کیا تھا اس کو نقطہ عروج پر پہنچانے میں اگر کسی کا نام آتا ہے تو وہ خواجہ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ نے دہلی کی سرزمین سے تبلیغی مہم کا آغاز کیا۔ غیاث پور نامی جگہ پر ۶۵۷ھ کے قریب خانقاہ چشتیہ نظامیہ کی بنیاد رکھی اور وہاں سے اسلامی تبلیغ کے لیے نئے عہد کا آغاز کیا۔ یہ علاقہ اب نئی دہلی بستی نظام الدین اولیا کے نام سے جانا جاتا ہے۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کی پیدائش ماہ صفر ۶۳۴ھ میں بدایوں میں ہوئی۔ پانچ برس کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد والدہ کے ساتھ دہلی تشریف لے آئے جہاں مولانا شمس الدین خوارزمی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ دہلی میں خواجہ فرید الدین گنج شکر کے اوصاف و کمالات سن کر ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور ایک دن غلبۂ شوق میں کھڑے ہوئے اور بابا فرید الدین گنج شکر سے ملاقات کے لیے ”اجودھن“ (پاک پٹن۔ پاکستان) جا پہنچے۔ اسی روز آپ کو سلسلہ چشتیہ میں داخل کر لیا گیا۔ ۱۵؍ رجب ۶۵۵ سے ۲؍ ربیع الاول ۶۵۶ تک آپ پیر و مرشد کی بارگاہ میں روحانی مدارج طے کرتے رہے۔ بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت آپ دہلی میں تھے۔ بابا صاحب رضی اللہ عنہ نے عصا اور خرقہ شریف انتقال سے پہلے دہلی پہنچا دیا تھا۔

خانقاہ چشتیہ نظامیہ نے تیرہویں صدی میں اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کی ہمہ گیر مہم چھیڑ رکھی تھی اس خانقاہ کے ذریعہ اسلام کو وہ فروغ ملا کہ اس کے بعد ایسا سنہری دور اسلامیان ہند کو پھر دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ خواجہ نظام الدین اولیا کے تربیت یافتہ خلفا ملک کے گوشے گوشے میں پھیل چکے تھے۔ اس وقت یہ خانقاہ سلسلہ چشتیہ کی مرکزی خانقاہ کی حیثیت اختیار کر گئی تھی جہاں کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق خلفا تبلیغ کیا کرتے تھے۔ وہ ہر حال میں مرکزی خانقاہ کے پابند تھے۔ ۳؍ اپریل ۱۳۲۵ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔

آپ کے خلفا میں بعض اہم یہ ہیں:

(۱) خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (۲) قطب الدین منور (۳) شیخ حسام الدین (۴) شیخ برہان الدین (۵) فخر الدین زرداری (۶) قاضی محی الدین کاشانی (۷) اخی سراج رضی اللہ عنہم۔

ان خلفا میں خواجہ نصیر الدین نے دہلی، اودھ، پنجاب اور گجرات میں روحانی اثرات پیدا کیے۔ شیخ اخی سراج نے بنگال، بہار اور آسام میں اور خواجہ برہان الدین نے دکن میں اس طرح خانقاہ چشتیہ نظامیہ کے ذریعہ

پورے ہندوستان میں اسلامی تبلیغ کا کام زبردست انداز میں ہوا۔
موجودہ نظام اجمیر معلی کی طرح خدّاموں کے ہاتھوں میں ہے۔

خانقاہ چشتیہ نظامیہ داناپور (بہار)

خانقاہ چشتیہ نظامیہ داناپور اپنی گوناگوں خصوصیات، خدمات اور علمی خانوادے کی بنیاد پر برصغیر کے بڑے حصے میں جانی جاتی ہے۔ اس خانقاہ کی بنیاد سید شاہ مبارک حسین چشتی خلیفہ خواجہ سراج الدین اخی سراج نے ۷۴۵ھ میں رکھی۔ اگرچہ خانقاہ نظامیہ کئی صدی تک علم و عرفاں کے گوہر لٹاتی رہی اور مذہب وملت کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیتی رہی مگر اس خانقاہ کو شہرت کے بام عروج پر پہنچانے میں فاضل تورات و انجیل سید شاہ محمد قایم قتیلؔ داناپوری علیہ الرحمہ کی شخصیت کا زبردست کردار رہا ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۳۱۱ھ داناپور ضلع پٹنہ میں ہوئی ۱۳۴۴ھ میں سید شاہ شرف الدین قدس سرہ نے آپ کو اجازت و خلافت اور سجادگی سے نوازا ایک طویل عمر گزار کر آپ ۱۴۰۵ھ میں دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

خواجہ شاہ محمد قایم چشتی سرہٗ اردو، فارسی، عربی، سنسکرت اور انگریزی زبان کے ماہر تھے۔ تورات، زبور، انجیل اور ویدوں پر گہری نظر تھی۔ آپ نے اردو، فارسی اور انگریزی میں ۵۰ کتابوں کا سرمایہ چھوڑا ہے۔ بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) مشکوٰۃ حقیقت (۲) مسئلہ مرغوب (۳) تہتر فرق (۴) ستمگری جماعت اسلامی (۵) رفض صریح (۶) ذبح عظیم۔

انگریزی کتب: Mohammad in Divine Book
Mohammad The last Prophet
The Divine Promise
Mohammad in Hindu Religious Books
Qateel's Message to wrold۔

آپ کی سجادگی میں خانقاہ نظامیہ نے ہر میدان میں ترقی کی۔ آپ نے اپنی حیات ہی میں اپنے صاحب زادہ پروفیسر طلحہ رضوی برق چشتی کو جانشینی سے مشرف فرما دیا تھا۔ آج خانقاہ شریف پروفیسر طلحہ رضوی برق مد ظلہ العالی کی علمی شخصیت کے زیر سرپرستی مذہب و مسلک کی اشاعت و تحفظ میں ہمہ تن لگی ہوئی ہے۔ پروفیسر طلحہ رضوی برق نہایت ہی ذی اخلاق اور ملنسار ہیں۔ سجادگی کا زعم انہیں چھو کر بھی نہیں گزرا ہے۔ فارسی ادب کے ماہر ادیب اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ علمی حلقوں میں آپ کے احترام کو نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ تصنیف و تالیف کے ذریعہ مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ ان کی عمر میں بے پناہ برکت عطا فرمائے۔

خانقاہ چشتیہ صابریہ احمدیہ (ردولی شریف)

سید المتوکلین حضرت علاء الدین صابر کلیری چشتی رضی اللہ عنہ نے جس سلسلہ صابریہ کا اجرا کیا تھا وہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔ آپ نے شیخ جلال الدین پانی پتی کے علاوہ کسی کو اجازت و خلافت نہیں دی تھی۔ صوبۂ اودھ کے ایک خطے ردولی کو تاریخ کا یہ شرف حاصل ہوا کہ وہاں سے سلسلہ صابریہ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور شیخ احمد عبد الحق ردولوی قدس سرہٗ کے ہاتھوں اسے زبردست فروغ ملا۔ خانقاہ چشتیہ صابریہ ردولی شریف کو صابری سلسلہ کی پہلی خانقاہ ہونے کا روحانی شرف حاصل ہے۔

شیخ احمد عبد الحق ردولوی صوبہ اودھ کے مقام ردولہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ذوق عبادت اور شوق حال کا غلبہ رہتا تھا۔ ۱۲؍سال کی عمر میں سارے علوم وفنون حاصل کر چکے تھے اور ۱۸؍سال کی عمر میں روحانیت کے حصول کے لیے سیر وسیاحت کا آغاز کر دیا۔ آپ نے اس سفر میں کئی عظیم بزرگوں سے ملاقات کی۔ مثلاً نور قطب عالم پنڈوی، فتح اللہ اودھی، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز مگر آپ کا حصہ کہیں اور لکھا تھا مقصود حاصل نہ ہونے پر چھ مہینہ قبر میں رہ کر عبادت کی آخر اشارہ غیبی پاکر مخدوم جلال الدین پانی پتی کی خدمت میں پہنچے اور سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت احمد عبد الحق دہلوی کے توسط سے سلسلہ صابریہ کو نئی زندگی ملی اسی مناسب سے آپ کو سلسلہ صابریہ چشتیہ کا مجدد کہا جاتا ہے۔ آپ کی قائم کردہ خانقاہ چشتیہ صابریہ کے ذریعہ صوبۂ اودھ اور گرد ونواح میں اسلام کی تبلیغ کا زبردست کام ہوا۔ ۸۳۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار مبارکہ احاطہ خانقاہ میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کے خلفا میں دو لوگوں کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ (۱) حضرت خواجہ عبد القدوس گنگوہی (۲) صاحب زادہ شیخ عارف جو آپ کے بعد خانقاہ کے گدی نشیں ہوئے۔

فی الحال شاہ عمار احمد عرف نیّر میاں کی سجادگی میں خانقاہ علمی اور تصنیفی کاموں میں لگی ہوتی ہے۔ آپ خانقاہ کے ۱۸ویں گدی نشیں ہیں۔ شاہ نیّر میاں کے زیر سرپرستی خانقاہ صابریہ سے تعلیمی اور تصنیفی

کام بہت تیزی سے ہو رہے ہیں خاص کر آباو اجداد کے علمی سرمایہ کو منظر عام پر لانے کے لئے نیّر میاں پوری ٹیم کو لے کر کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مدارس و معاہد خانقاہ شریف کے تحت چل رہے ہیں۔

(۱) جامعہ چشتیہ (۲) صابری دار الافتا (۳) شعبۂ نشر و اشاعت (۴) چشتیہ ہائی سیکنڈری اسکول (۵) چشتیہ پرائمری اسکول۔

خانقاہ چشتیہ بندہ نواز (گلبرگہ شریف)

"خانقاہ چشتیہ خواجہ بندہ نواز" کی بنیاد ۸۰۳ھ کے قریب بہ مقام گلبرگہ حیدرآباد کرناٹک میں خواجہ گیسو دراز کے دست حق سے رکھی گئی تھی۔ اس خانقاہ نے صوبہ کرناٹک میں نویں صدی کے اوائل میں اسلام کی تبلیغ، اصلاح معاشرہ اور تعلیمی سماجی خدمات میں جو سرگرمیاں دکھائیں تھیں آج چھ سو سال گزرنے کے بعد خانقاہ اسی تندہی اور لگن سے فروغ مسلک و مذہب کے ساتھ تعلیمی اشاعت میں لگی ہوئی ہے۔

خواجہ بندہ نواز ۴/ر رجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جس ماحول اور خاندان میں آنکھ کھولی وہاں مشائخ چشت کا فیضان جھما جھم برس رہا تھا۔ ۱۴/ر رجب المرجب ۷۳۶ھ میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ ۱۵/ر رمضان ۷۵۷ھ میں اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ۸۰۰ھ تک آپ دہلی میں رہے اور اس کے بعد بعض وجوہات کی بنیاد پر گلبرگہ کے لیے روانہ ہوئے جہاں پہنچنے پر آپ کا شاہانہ استقبال ہوا۔ تقریباً ۲۲/ر سال تک آپ نے گلبرگہ میں تحریر و تقریر اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ کی ۱۶/ر ذی قعدہ ۸۲۵ھ میں آپ وصال فرما گئے۔

خواجہ بندہ نواز کی خانقاہ سے ایک طرف تبلیغی کام ہوا تو دوسری طرف تصنیفی اور علمی کاموں کی طرف بھی توجہ دی گئی تھی۔ آپ نے ۱۰۵ کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں (۱) ملتقط تفسیر القرآن (۲) شرح خصوص الحکم (۳) شرح رسالہ قشیریہ (۴) استقامۃ الشریعۃ بطریق الحقیقۃ (۵) حواشی قوت القلوب (۶) شرح فقہ اکبر قابل ذکر ہیں۔

خواجہ بندہ نواز کے خلفا کی تعداد بہت طویل ہے 'سیر بندہ نواز' میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں چند کے نام دیئے جاتے ہیں۔

(۱) شیخ علاء الدین گوالیاری (۲) قاضی نور الدین اجودھی (۳) مولانا معین الدین ٹوہانوی (۴) اکبر حسینی مزار مبارک (۵) قاضی راجہ گلبرگہ۔

خانقاہ چشتیہ بندہ نواز نے یوں تو ہر دور میں نمایاں خدمات انجام دیں مگر بیسویں صدی کے نصف آخر اور اکیسویں صدی کے عشرہ اول تک خانقاہ نے علمی، سماجی، صحافتی، تعلیمی اور تعمیراتی میدان میں حیرت انگیز ترقی کی جس کا سہرہ سید شاہ محمد محمد الحسینی قدس سرہٗ ۱۹۲۲/۲۰۱۲ کے سر جاتا ہے۔ آپ کی سجادگی میں خانقاہ نے وہ خدمات انجام دیں جو قابل رشک ہونے کے ساتھ ساتھ قابل تقلید بھی ہیں۔ ہماری فہرست میں شامل تمام خانقاہوں میں کہیں اتنی سرگرمی دکھائی نہیں دیتی ہے۔ (موجودہ دور میں) خانقاہ کی خدمات کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) دار العلوم دینیہ (۲) مدرسہ حفاظ (۳) بی بی رضا ہائی اسکول (۴) خواجہ ہائی اسکول (۵) بی بی رضا پری یونیورسٹی کالج (۶) بی بی رضا ڈگری کالج (۷) نیشنل نرسری اینڈ پرائمری اسکول (۸) خواجہ بندہ نواز انجینئرنگ کالج (۹) خواجہ بندہ نواز انجینئرنگ کالج (نیو ہاسٹل) (۱۰) خواجہ بندہ نواز جنرل ہاسپٹل (۱۱) خواجہ بندہ نواز اسکول آف نرسنگ (۱۲) سید اکبر حسینی اسکول (۱۳) خواجہ نرسری اینڈ پرائمری اسکول (۱۴) آل انڈیا سید محمد گیسو دراز ریسرچ اکیڈمی (۱۵) خواجہ ایجوکیشن سوسائٹی (۱۶) روزنامہ K.B.N. Times۔

اس فہرست سے خانقاہ بندہ نواز کی سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت سید اکبر خسرو حسینی کی سرپرستی اور سجادگی میں خانقاہ مزید ترقی کی طرف گامزن ہے۔

خانقاہ چشتیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف

خانقاہ چشتیہ اشرفیہ ہندوستان کی وہ چشتی خانقاہ ہے جہاں کسی بھی عہد میں اسلام کی تبلیغ کا کام ماند نہیں پڑا بلکہ ہر دور میں یہاں ایسے ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جنھوں نے مذہبی قیادت کو ہر دم تازہ اور سرگرم رکھا۔ اس خانقاہ کی بنیاد سید اوحد الدین محمد اشرف المعروف مخدوم سلطان اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ عنہ نے ۸۰۴ھ کے قریب رکھی اور آج چھ صدی گزرنے کے بعد وہی رنگ وہی سماں، وہی قیادت کا جوش، اصلاح فکر و اعتقاد کی مہم اور تعلیمی خدمات کا سلسلہ پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔

حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانی کی پیدائش ۷۰۸ھ سمنان میں ہوئی۔ اباو اجداد تخت و تاج کے مالک تھے۔ والد محترم سید ابراہیم علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد پندرہ سال کی عمر میں آپ تخت سلطنت پر بیٹھے مگر ۲۵ سال کی عمر میں تخت و تاج چھوڑ کر روحانیت کی تلاش میں ہندوستان روانہ ہوگئے۔ دہلی ہوتے ہوئے پنڈوہ شریف پہنچے اور تاجدار ولایت خواجہ علاء الدین والحق پنڈوی سے سلسلہ چشتیہ میں مرید ہوگئے اور

کئی سال تک وہیں قیام پذیر رہے وہاں سے مرشد کے حکم پر جونپور تشریف لائے۔ وہاں سے بھدونڈ پھر کچھوچھہ اور ۸۰۴ھ کے بعد یہیں سکونت اختیار کرلی۔ (وصال ۸۰۸ھ) آپ کے وصال کے بعد آپ کے خالہ زاد بھانجے سید عبدالرزاق نورالعین آپ کے جانشیں ہوئے۔

آپ کے خلفا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ”بزم صوفیا“۔ ہم یہاں چند خلفا کے نام لکھ رہے ہیں۔

(۱) سید عبدالرزاق نورالعین (۲) شیخ کبیر سرور پوری (۳) شہاب الدین دولت آبادی (۴) شیخ شمس الدین اودھی (۵) شیخ صفی الدین ردولوی وغیرہ۔

سلطان اشرف جہانگیر سمنانی نے تقریباً ۲۹ کتابیں تصنیف فرمائیں جس میں قابل ذکر یہ ہیں: (۱) کنزالاسرار (۲) لطائف اشرفی (۳) مخطوبات اشرفی (۴) سرّالاسرار۔

خانقاہ چشتیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف نے نہ صرف ہندوستان بلکہ بنگلہ دیش، افریقہ اور دیگر ممالک میں اسلام وسنیت کی بیش بہا خدمات انجام دیں خاص کر اعلیٰ حضرت حضور اشرفی میاں (۱۲۶۶/۱۳۵۵ھ) اور سید مختار اشرف المعروف سرکار کلاں (۱۳۳۳/۱۴۱۷ھ) کے دور میں اس قدر تبلیغی اور مسلکی کام ہوئے جو حیطہ تحریر سے باہر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت حضور اشرفی میاں نے اپنے دور میں سلسلہ چشتیہ کو بے پناہ فروغ دیا یہاں تک کہ انھیں اشرف ثانی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا، ہندوستان کی ”شدھی“ تحریک (جو آریہ سماج کے کارکنان نے ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں پوری شدت سے چلائی تھی) کی الحادی آندھی سے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کرنے میں خانقاہ اشرفیہ چشتیہ پیش پیش رہی۔ آج اس خانقاہ کے زیر اہتمام بہار، بنگال، یوپی، اڑیسہ، مہاراشٹر، کرناٹک اور دیگر صوبوں میں سینکڑوں تعلیمی ادارے چل رہے ہیں۔

خانقاہ چشتیہ رشیدیہ (جونپور)

خانقاہ رشیدیہ جونپور کا شمار سلسلۂ چشتیہ کی اہم اور قابل ذکر خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ شیخ محمد رشید بن مصطفی جمال الحق جن کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ وہ اس خانقاہ کے بانی و موسس ہیں۔ شیخ محمد رشید کی پیدائش عہد اکبری ۱۰۰۰ھ ماہ ذی قعدہ ضلع جونپور میں ہوئی۔ والد محترم شیخ مصطفی جمال الحق ہی سے سلسلہ چشتیہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے علاوہ سید راجہ احمد مجبتیٰ سے بھی آپ کو سلسلہ چشتیہ و قادریہ کی خلافت حاصل تھی۔ چالیس سال کی عمر میں ۱۰۴۰ کے آس پاس آپ نے خانقاہ چشتیہ رشیدیہ کی بنیاد رکھی اور رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیا۔ ۱۰۸۳ھ میں آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ کے تذکرہ میں ۳۳ خلفا کا ذکر ملتا ہے جو مختلف علاقوں میں پھیل کر تبلیغ کے مشن کو آگے بڑھاتے رہے خانقاہ رشیدیہ کی کئی شاخیں ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں: (۱) خانقاہ عالیہ طیبہ (بنارس) (۲) خانقاہ عالیہ مصطفائیہ چمنی بازار (پورنیہ) (۳) خانقاہ عالیہ حیدریہ معینیہ (بہار) (۴) خانقاہ عالیہ علیمیہ (غازی پور)

خانقاہ رشیدیہ جونپور کے موجودہ صاحب سجادہ حضرت مفتی عبد الرحمن دامت برکاتہم العالیہ نہایت تندہی کے ساتھ اسلام وسنیت کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کے زیر اہتمام فی الحال یہ کام چل رہے ہیں۔

(۱) دار العلوم مصطفائیہ (۲) دار العلوم سرکار آسی (۳) دار العلوم طیبہ معینیہ (۴) دار العلوم رشیدیہ (۵) دار العلوم حیدریہ معینیہ (۶) دار العلوم شاہدیہ۔ یہ مدارس مختلف شہروں اور صوبوں میں ہیں۔

خانقاہ رشیدیہ کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دیگر خانقاہوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں ”سجادہ نشیں“ کا انتخاب اتفاق رائے سے ہوتا ہے۔ خانقاہ کے ذمے داران اور اہل علم جسے منتخب کرتے ہیں وہی سجادگی کے منصب پر بیٹھتا ہے۔ باپ کے بعد لازماً بیٹے کی سجادگی کا تصور یہاں نہیں ہے۔ یہی ہمارے اسلاف کی روش تھی جسے اکثر خانقاہوں میں ترک کردی گئی ہے۔

خانقاہ چشتیہ منعمیہ قمریہ پٹنہ (بہار)

موجودہ دور میں جن خانقاہوں کو علمی حوالے سے جانا جاتا ہے ان میں چشتیہ منعمیہ قمریہ پٹنہ بہار کا نام بھی آتا ہے جو تقریباً تین صدی سے بہار کی سرزمین پر مختلف مذہبی، مسلکی اور دینی خدمات کی صورت میں فیضان چشت کو عام کررہی ہے۔ قطب العالم مخدوم شاہ منعم پاک رضی اللہ عنہ اس خانقاہ کے موسس و بانی ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۰۸۲ھ بہ مقام پٹنہ شیخ پور ضلع صوبہ بہار میں ہوئی۔ سلسلہ چشتیہ میں آپ کو دیوان سید خلیل اللہ قادری اور میر سید اسد اللہ ابوالعلائی سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ اپنے وقت کے متبحر عالم دین تھے۔ جامع مسجد دہلی کی پشت پر کوئی مدرسہ تھا جہاں آپ کی درس وتدریس کی محفل سجتی تھی۔ ایک دن نبی کریم ﷺ نے خواب میں آکر آپ کو

بہار جانے کا حکم فرمایا۔ فوراً درس و تدریس چھوڑ کر بہار تشریف لے آئے اور وہیں ۱۱۶۲ھ میں خانقاہ چشتیہ منعمیہ کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ۲۳ سال تک بہار میں دینی اور مذہبی خدمات میں لگے رہے۔ ۱۲ رجب ۱۱۸۵ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے مشہور خلفا یہ ہیں:

(۱) علامہ حسن رضا رائے پوری (۲) مخدوم حسن علی عظیم آبادی (۳) صوفی صائم چشتی بنگلہ دیشی (۴) سید غلام حسین دانا پوری (۵) رکن الدین عشق عظیم آبادی۔

سلسلہ منعمیہ کی سینکڑوں شاخیں بنگلہ دیش میں موجود ہیں۔ در اصل بنگلہ دیش میں خانقاہ منعمیہ کا کام وسیع پیمانے پر ہوا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ اسی طمطراق کے ساتھ سید شمیم احمد منعمی صاحب سجادہ خانقاہ منعمیہ کی کوششوں سے جاری ہے۔ سید شمیم احمد منعمی صاحب سجادہ خانقاہ منعمیہ کا نام علمی حلقوں میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ آپ کا شمار اہل سنت کے چنندہ عربی ادب کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ خطابت کی دنیا میں بھی اپنے منفرد اسلوب بیان کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ فی الحال "منعمیہ ایجوکیشن ویلفیئر ٹرسٹ" اور "سلسلہ" نامی تنظیم کے تحت "جامعہ منعمیہ" اور دیگر خدمات انجام دی جارہی ہیں۔

خانقاہ چشتیہ اصدقیہ چشتی چمن پیر بگھہ (بہار)

بہار کی سرزمین پر سلسلہ چشتیہ کا فیضان بہت قدیم ہے اور اس حوالہ سے اکثر بزرگان چشت کی آمد و رفت کا سلسلہ یہاں جاری رہا جن میں بعض نے یہیں سکونت اختیار کی اور کئی خانقاہوں کی تعمیر عمل میں آئی۔ ۱۸ ویں صدی میں خواجہ سید صادق علی مونس اللہ چشتی (مزار مبارک پولو پلانگ سری لنکا میں ہے) مونس اللہ چشتی جو خواجہ فخر الدین چراغ چشت دہلوی کے خلیفہ خاص تھے ان کے تربیت یافتہ اور منظور نظر خلیفہ خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی رضی اللہ عنہ نے ایسی خانقاہ کی تعمیر کی جس نے بہت کم مدت میں بہار کی سابقہ چشتی خانقاہوں میں ممتاز مقام حاصل کرلیا۔

شاہ قیام اصدق چشتی ۱۲۲۱ھ میں بہ مقام میاں پور ضلع بردوان بنگال میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۳۴ سے ۱۲۴۸ھ تک خواجہ مونس اللہ چشتی کے ہمراہ رہے۔ مرشد کے وصال کے دو سال کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لائے اور وہاں سے جموانواں تشریف لے گئے۔ وہیں بہ مقام پیر بگھہ شریف آپ نے خانقاہ اصدقیہ کی بنیاد رکھی۔ یہ ۱۲۴۹ھ کا زمانہ تھا۔ ۲۱/ رمضان ۱۳۰۱ھ میں آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں بعض یہ ہیں:

(۱) رموز العارفین (۲) زاد السفر (۳) مثنویات اشرفی (۴) مکتوبات فواد الاصدق (۵) ارشاد پیر۔ فارسی میں آپ کا ایک دیوان بھی ہے۔

آپ کے خلفا کی تعداد کثیر ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت شیخ فرید ثانی (اولاد بابا فرید گنج شکر) (۲) صوفی سجاد علی (۳) شاہ میر حسن عسکری (۴) شاہ تفضل حسین (۵) عشق اللہ چشتی (۶) شاہ عطاء اللہ اصدقی (۷) خواجہ احمد پیارے (۸) شیر علی خان (۹) شاہ فضل اللہ (۱۰) سخن دہلوی۔

جس قدر شاہ قیام اصدق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلفا ہیں اسی قدر اس خانقاہ کی شاخیں پورے بہار میں پھیلی ہوئی ہیں جن کی تعداد ۲۷ سے متجاوز ہے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) خانقاہ بشیریہ اصدقیہ (۲) خانقاہ ظہوریہ (۳) خانقاہ فیاضیہ (۴) خانقاہ نوریہ (۵) خانقاہ فریدیہ (۶) خانقاہ سجادیہ (۷) خانقاہ غوثیہ (۸) خانقاہ شریفیہ (۹) خانقاہ یٰسینیہ (۱۰) دائرہ حضرت شاہ وصی (۱۱) خانقاہ بشیریہ ٹکاری۔ (۱۲) خانقاہ اصدقیہ فریدیہ (سہسرام) (۱۳) خانقاہِ چشتیہ اصدقیہ نارائن پور ڈھاکہ بنگلہ دیش خانقاہ چشتیہ اصدقیہ فریدیہ (دہلی)

اس کے علاوہ اور بھی شاخیں ہیں جو سب سرگرم عمل ہیں۔ اب حضرت شاہ مشاہد اصدق چشتی کی سجادگی میں خانقاہ اصدقیہ ترقی کی طرف گامزن ہے۔ آپ خواجہ قیام اصدق چشتی کے پرپوتے لگتے ہیں۔ حضرت شاہ مشاہد صاحب مدظلہ العالی کے زیر سرپرستی ایک یتیم خانہ، مدرسہ اور اشاعتی ادارہ روز و شب ترقی پذیر ہیں۔ یہ واحد خانقاہ ہے جو آج قدیمی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے فقر و درویشی کا بے مثال مظہر ہے۔ خانقاہی خدمات کے لئے شاہ سدید صاحب کا نام قابل ذکر ہے۔

خانقاہ چشتیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف

ہندوستان کی اکثر چشتی خانقاہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ خواجہ غریب نواز یا ان کے خلفا در خلفا کی طرف منسوب ہیں مگر خانقاہ صمدیہ مصباحیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ خانقاہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر خواجہ مودود حق چشتی کی حقیقی اولاد کرام کی ہے۔ یوں تو خانقاہ صمدیہ مصباحیہ نے انیسویں صدی میں دین کی بے بہا خدمات انجام دیں مگر رد "شیعیت" اور "رافضیت" میں اس خانقاہ کا کردار دیگر خدمات سے زیادہ نمایاں ہے۔

رئیس المحققین قدوۃ السالکین حافظ بخاری خواجہ سید عبد الصمد

چشتی قدس سرہ خانقاہ صمدیہ مصباحیہ کے مؤسس و بانی ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۴؍ شعبان ۱۲۶۹ھ بہ مقام سہسوان ضلع بدایوں میں ہوئی۔ بچپن ہی میں والد محترم سید غالب حسین رضی اللہ عنہ انگریزوں کے ہاتھوں شہید کردیے گئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا سخاوت حسین سے کی اور تکمیل علم کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کی بارگاہ میں جا پہنچے جہاں آپ نے اور آپ کے صاحب زادہ تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی نے پوری توجہ سے مروجہ علوم کا درس دیا۔ ۱۴؍ سال کی عمر میں تمام علوم سے فراغت حاصل کرلی۔

خواجہ عبدالصمد کا شمار وقت کے عظیم محدثین میں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو صحیح بخاری سند اور متن کے ساتھ مکمل یاد تھی۔ محض آپ کی علمی قابلیت کا اعتراف امام احمد رضا قدس سرہٗ جیسی عظیم شخصیت کو بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک ندوہ کے خلاف جب علماے اہل سنت کی میٹنگ اعلیٰ حضرت کے در دولت پر ہوئی تو اس وقت باتفاق رائے حضرت سید عبدالصمد رضی اللہ عنہ چشتی کو صدر مجلس علماے اہل سنت منتخب کیا گیا۔

۱۲۹۳ھ میں آپ بدایوں سے ہجرت کرکے پھپھوند شریف تشریف لے آئے اور یہیں ۱۲۹۳ھ اور ۱۲۹۴ کے درمیان آپ نے خانقاہ صمدیہ مصباحیہ کی بنیاد رکھی۔ اس وقت پھپھوند شریف میں ۹۸ فیصد شیعیت کا غلبہ تھا مگر آپ کی مسلسل کوششوں سے پھپھوند شریف سے شیعیت بالکل نیست و نابود ہوگئی۔ آج یہاں ۱۰۰ فیصد سنیت کا غلبہ ہے۔

سید خواجہ عبدالصمد چشتی نے ایک درجن سے زیادہ کتابیں رد فرقۂ ضالہ میں تصنیف فرمائیں جن میں قابل ذکر یہ ہیں:

(۱) ارغام الشیاطین فی تردید متعۃ الشیعیین (۲) رسول بے نظیر (۳) نصر السنیین علی عداۃ سید المرسلین (۴) طوارق الصمدیہ (۵) نصر السنیین علی احزاب المبتدعین (۶) حق الیقین فی مبحث مولد اعلیٰ النبیین (۷) افادات صمدیہ (۸) شعلۂ غضب۔

۱۸ جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ آپ کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد آپ کے فرزند و خلیفہ علامہ مفتی سید مصباح الحسن چشتی اور ان کے بعد اکبر المشائخ سید محمد اکبر میاں قدس سرہما نے بالترتیب خانقاہی مشن کو زبردست انداز میں فروغ دیا۔ فی الحال علامہ سید محمد اختر چشتی مدظلہ العالی کے زیر سجادگی خانقاہ صمدیہ پورے علاقے میں دین و سنیت کی خدمت میں لگی ہوئی ہے خانقاہ عالیہ کے زیر سرپرستی ہونے والی خدمات یہ ہیں۔

(۱) جامعہ صمدیہ (۲) حنفی دار الافتا (۳) تاج الفحول لائبریری (۴) فیوض صمدیہ ہائی اسکول (۵) فیوض صمدیہ جونیئر ہائی اسکول (۶) صمدیہ ہائی اسکول (۷) ماہانہ درس حدیث پروگرام (تقریباً ایک درجن شہروں میں) (۸) حج و زیارت ٹریننگ کیمپ (سالانہ) (۹) جامع مسجد (۱۰) انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ (رجسٹرڈ) (۱۱) ماہنامہ "ضیاء الصمد" (فی الحال کچھ وجوہات سے بند ہے۔

خانقاہ صمدیہ مصباحیہ کی ایک شاخ قصبہ ڈیرا پور کانپور دیہات میں ہے جو خواجہ رفیق الحسن رضی اللہ عنہ تلمیذ رشید صدر الشریعہ علامہ امجد علی قدس سرہٗ کے ذریعہ وہاں پہنچی۔ فی الحال علامہ مفتی انفاس الحسن چشتی مدظلہ العالی وہاں کے گدی نشیں ہیں۔

خانقاہ چشتیہ عارفیہ سید سراواں (الہ آباد)

خانقاہ چشتیہ عارفیہ سید سراواں موجودہ دور کی ان خانقاہوں میں سے ہیں جو علمی، روحانی اور تبلیغی سطح پر نمایاں کارکردگی پیش کر رہی ہیں۔

اس خانقاہ کا سلسلہ مخدوم مینا شاہ چشتی لکھنوی سے جا کر ملتا ہے۔ شہنشاہ عارف صفی محمدی نے ۱۸۸۵ء میں سید سرواں میں خانقاہ چشتیہ عارفیہ کی بنیاد رکھی اور اسلام کی تبلیغ پر پوری توجہ لگادی۔

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی موجودہ صاحب سجادہ خانقاہ عارفیہ اسی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی مساعی اور تبلیغ کی بدولت آج خانقاہ عارفیہ کا تعارف ہندوستان کے گوشے گوشے میں ہوچکا ہے۔ شیخ احسان اللہ کی شخصیت بڑی پرکشش ہے ابھی تک سینکڑوں لوگ آپ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوچکے ہیں۔

خانقاہ عارفیہ نے احسان و سلوک اور تصوف کی تعلیمات کو دوبارہ زندہ کرنے کی مہم چھیڑ رکھی ہے جس کے ثمرات اچھے نکل رہے ہیں۔ ابھی تک خانقاہ عارفیہ سے مندرجہ ذیل خدمات ہوتی ہیں۔

(۱) شاہ صفی میموریل ٹرسٹ (۲) جامعہ عارفیہ (۳) شاہ صفی اکیڈمی (۴) اشاعت مجلہ "خضر راہ" (۵) سالنامہ "الاحسان" (عربی - اردو) (۶) شاہی پروڈکٹس۔

خانقاہ عارفیہ نے بہت کم مدت میں بہت زیادہ کام کرنے کی پہل کی ہے جو قابل ستائش ہے۔ ☆☆☆

فکر و نظر

شبِ براءت میں کیا پڑھیں، نوافل یا قضائے عمری؟

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

اپریل ۲۰۱۸ء کا عنوان	رمضان المبارک کی اخلاقی اور روحانی قدریں
مئی ۲۰۱۸ء کا عنوان	ملفوظاتِ صوفیہ: ایک گراں قدر علمی و ادبی سرمایہ

نوافل کے بجائے قضا نمازوں کی مشغولیت اولیٰ و اہم ہے

از: مفتی ناصر حسین مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی اطاعت اور بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے، مگر افسوس آج انسان اپنے جینے کے مقصد کو دنیاوی مصروفیات اور مادی محبت کی وجہ سے فراموش کر چکا ہے، اسلامی تعلیمات سے لاپروائی اور فرائض سے غفلت نے ایمان کو اتنا کمزور کر دیا کہ اب اللہ اور رسول کی محبت بھی سینوں سے نکلتی جا رہی ہے، اور سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس کا احساس بھی نہیں ہوتا، احساس کا خاتمہ انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے، اِس صورت حال میں توبہ و استغفار اور نیک اعمال کے لیے خاص راتوں کا قیام احساس کو زندہ کرنے کا باعث بنتا ہے، اور آدمی کو اُس کا مقصدِ حیات یاد دلاتا ہے۔

ماہ شعبان کی پندرہویں رات بڑی بابرکت اور فضیلت والی رات ہے، جس میں رحمتِ الٰہی اپنے کمال پر ہوتی ہے، جو اس رات کو یادِ الٰہی میں بسر کرے، عبادت و تلاوت میں مشغول رہے، گناہ سے آلودہ دامن کو اشکِ ندامت سے دھو ڈالے، اپنے صغائر و کبائر گناہوں پر نالہ و فریاد کر کے معافی طلب کرے، اس کے لیے یہ رات انعام و اکرام کی برسات لے کر آتی ہے، جس سے تقدیر بدل جاتی ہے اور زندگی سنور جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ اور اسلاف کا اس رات میں ذکر و عبادت کے اہتمام پر تعامل رہا ہے۔

اس رات کی عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کہ فلاں طریقے سے عبادت کی جائے اور فلاں طریقے پر نماز پڑھی جائے۔ ہاں زیادہ تر لوگ نفل نمازیں پڑھتے ہیں جن میں بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی مہینوں اور سالوں بھر کی فرض نمازوں کو چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کی قضا اُن پر لازم و ضروری ہوتی ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے بہتر ہے کہ وہ نفل نمازوں کے بجائے اپنی قضا نمازیں پڑھیں، اِس میں کوئی شک نہیں کہ نوافل قربِ الٰہی حاصل کرنے کا عظیم ذریعہ ہیں، مگر اِس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فوت شدہ نمازیں فرض ہیں اور فرض کا درجہ بہر حال نفل سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا فرض چھوڑ کر نفل پڑھنا زیادہ ثواب والی نماز کو چھوڑ کر کم ثواب والی نماز پر راضی رہنے کی مانند ہے جب کہ دونوں نمازوں کے اعمال ایک جیسے ہیں۔ اس لیے جن لوگوں کے ذمے بہت سی قضا نمازیں جمع ہوں، انھیں چاہیے کہ بجائے نوافل کے قضا نمازیں پڑھیں۔ سُنّتِ غیر مُؤکّدہ اور حدیثوں میں وارد شُدہ مخصوص نوافل پڑھے تو ثواب کا حق دار ہے مگر انہیں نہ پڑھنے پر کوئی گناہ نہیں، جب کہ قضا نمازیں ادا نہ کرنا سخت گناہ ہے۔

مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب قضا نمازیں فرض ہونے کی وجہ سے نوافل سے اولیٰ و اہم ہیں، تو پھر یہ سننِ مؤکدہ و غیر مؤکدہ

سے بھی بڑھ کر ہیں، تو کیوں نہ پنج وقتہ نمازوں میں بھی سنتوں کی جگہ قضا نماز ہی پڑھ لی جائے اور سنتوں کو چھوڑ دیا جائے - یہ خیال صحیح نہیں، اس لیے کہ قضا نماز کی بنا پر سُنّتِ مُؤکّدہ چھوڑنا جائز نہیں۔

فتاویٰ شامی (رد المختار) میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة وصلاة الضحى وصلاة التسبيح والصلاة التي رويت فيها الأخبار، أي كتحية المسجد، والأربع قبل العصر والست بعد المغرب.(رد المحتار ج: ۲، ص: ٦٤٦، باب قضاء الفوائت)

ترجمہ: قضا نمازوں میں مشغول ہونا نوافل کی مشغولیت سے بہتر اور اہم ہیں مگر سُنّتِ مُؤکّدہ، نمازِ چاشت، صلوٰۃ التسبیح اور وہ نمازیں جن کے بارے میں احادیث مبارکہ مروی ہیں یعنی جیسے تحیۃ المسجد، عصر سے پہلے کی چار رکعت (سُنّتِ غیر مُؤکّدہ) اور مغرب کے بعد چھ رکعتیں (پڑھی جائیں گی)

ویسے قضا نمازوں کے لیے کوئی وقت معیّن نہیں ، عمر میں جب (بھی) پڑھے گا بَرِیُٔ الذمّہ ہو جائے گا، سوائے تین اوقات مکروہہ کے، لیکن قضا نمازوں کے ادا کرنے میں جلدی کرنا چاہیے، بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ و گناہ ہے، اور شب براءت میں چوں کہ رات بھر عبادت میں مشغولیت ہوتی ہے اس لیے یہ قضا نمازوں کی ادائگی کا ایک بہترین موقع ہے۔ اور اگر رات بھر قضا نمازیں پڑھی جائیں تو ان کی ایک بڑی تعداد ادا کی جا سکتی ہے۔

قضا ہر روز کی بیس رکعتیں ہوتی ہیں۔ فجر کی دو، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین، عشا کی چار اور وتر کی تین جس کو فوت شدہ نمازوں کے مہینے و دن کا تعین یاد نہ ہو وہ سہولت کے لیے اس طرح نیت کرے کہ مثلاً میرے ذمہ جس قدر فجر کی نمازیں باقی ہیں ان میں سے پہلی فجر کی نماز پڑھتا ہوں۔ اسی طرح جس وقت کی نماز پڑھنی ہے اُس کے ساتھ یہ الفاظ دل میں خیال کرے اور زبان سے بھی کہہ لے ، کیوں کہ جب پہلی قضا نماز ادا ہو جائے گی تو دوسری قضا نماز پہلی کے مقام پر آجائے گی۔ اسی کو قضائے عمری کہتے ہیں۔ فوت شدہ نمازوں میں صرف فرض اور واجب رکعتیں ادا کرنا ضروری ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب و کامران ہوگا، اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد، کتاب الصلاۃ، باب أول مایحاسب بہ العبد الصلاۃ)

علماے امت کا اتفاق ہے کہ فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر کئی دنوں تک نماز نہ پڑھے۔ خیر القرون میں ایک واقعہ بھی قصداً چند ایام نماز ترک کرنے کا نہیں ملتا، بلکہ اس زمانہ میں تو منافقین کو بھی نماز چھوڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی پابندی کی توفیق دے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

شبِ براءت میں قضا نمازیں پڑھیں

از: مولانا محمد اختر علی واجد القادری، جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ، نیا نگر، میرا روڈ، ممبئی

یہ سچ ہے کہ گردش لیل و نہار کی بدولت اللہ کی اشرف المخلوقات مومن کامل حضرات کو ایسی راتیں اور ایام نصیب ہوتے رہتے ہیں کہ جو عام دنوں اور عام راتوں کے مقابل امتیازی شان اور فضیلت رکھتے ہیں، انہی بابرکت راتوں اور دنوں میں سے ایک رات شب برات ہے ،امام بیہقی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی شب کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اس رات ہر گناہ گار کی بخشش ہو جاتی ہے سوائے مشرک کے یا اس کے جس کے دل میں کینہ ہو۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب ماثبت من السنہ فی ایام السنۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا کی طرف نزول فرمانا تو ہر رات کو ہوتا ہے مگر یہ نزول اجلال رات کے آخری تیسرے پہر کے حصے میں ہوتا ہے لیکن پندرہویں شعبان کی رات کا نزول شب کے تیسرے پہر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ غروب آفتاب سے لے کر صبح صادق تک ہے۔

کتب احادیث سے ثابت ہے کہ اس رات نبی اکرم ﷺ

مرحومین کے لیے دعائے مغفرت بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال اس کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں اور ہماری قوم ان فضائل کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہے، کوئی پوری رات نوافل پڑھتا ہے ،کوئی تسبیح پڑھتا ہے، کوئی فاتحہ دلاتا ہے ،اسی کے ساتھ کچھ لوگ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ اس رات کی نفلی عبادت کی وجہ سے پورے سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں جو سراسر غلط ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے ایک آدمی پورا سال کام کرے اور ایک آدمی ایک دن ،دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں ،اس لیے ضروری ہے کہ اس غلط فہمی میں نہ رہے ،بلکہ فرائض کو ان کے وقتوں پر ادا کریں اور اگر قضا ہوگئی ہے تو اسے ایسی راتوں میں بھی ادا کریں، کیوں کہ امت کے علما کا متفقہ مسئلہ ہے کہ جن کے ذمہ فرض نمازیں قضا ہیں وہ نوافل نہ پڑھیں، مطلب یہ ہوا کہ اس رات کو وہ لوگ جو ایک ہی دن میں نیکی کی مال داری کا خواب دیکھ کر پوری رات نوافل پڑھتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ یہ نوافل ہی کافی ہیں تو کان کھول کر سن لیں کہ یہ سوچ بالکل غلط ہے ،اگر اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں تو آپ نوافل کی جگہ قضا نمازیں پڑھیں، اگر ایسا کیا تو ممکن ہے کہ اللہ کریم اپنی عطا سے بندوں کے خطا معاف فرمادے اور ان شاءاللہ ضرور معاف فرمادے گا۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ رحمۃ الرحمٰن سے اس تعلق سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ خالی نفلوں کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھے۔

(فتاوی رضویہ مطبوعہ پوربندر، جلد ۸/ صفحہ نمبر ۱۵۸، مسئلہ نمبر ۱۲۰۳)

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :قضا نمازیں نوافل سے اہم ہیں ،یعنی جس وقت نفل پڑھتا ہے انہیں چھوڑ کر ان کے بدلے قضائیں پڑھے کہ (قضا نمازوں سے) بری الذمہ ہوجائے

(بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۷۰۶، مطوعہ مکتبہ المدینہ)

بلاشبہ شب برات ایک عظیم اور باعث برکت شب ہے مگر اس میں نوافل صرف وہی پڑھے جس کی فرض نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں، جن کی فرض نمازیں قضا ہوئی ہیں وہ نوافل نہ پڑھے ،اس لئے فقیر یہ مانتا ہے کہ اس رات نوافل نہیں بلکہ قضا نمازیں ادا کی جائیں اور علما بھی اس کے فضائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قضا کی وعیدیں بھی سنائیں ورنہ ہماری قوم اختصار میں استغفار کے عادی بن جائے گی اور ممکن ہے قیامت کے دن محرومی ہاتھ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی قضائے عمری کی ادائیگی کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ ☆☆☆

(ص:۲۷/ کا بقیہ)... اور خفیہ مشورہ جو غیر شرعی نہ ہو امانت ہے اور امانت کے تعلق سے قرآن کریم میں فرمایا گیا، بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے (اے ایمان والوں) کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کو ادا کرو۔ (سورۃ النساء ۵۸)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ جس سے مشورہ کیا جائے، وہ امین ہے۔

(روہ الترمذی، رقم الدیث، ۲۷۴۷)

لہٰذا مذکورہ باتوں سے ثابت ہوا کہ جس سے مشور کیا جائے، اس پر یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے بھائی کو صحیح صحیح مشورہ دے اور جو باتیں مشورے سے میں طے ہوجائے بغیر اس کی اجازت کے کسی کے پاس ظاہر نہ کرے۔

مشیر کے بعض صفات: شرعی احکام کا معاملہ ہو تو معتمد صحیح العقیدہ عالم سے مشورہ لیں، دنیاوی امور میں جس سے چاہیں مشورہ لیں مگر اتنا ضرور خیال رکھیں کہ وہ شخص امین اور دیانت دار ہو، گہری بصیرت رکھتا ہو، عاقل و بالغ ہو، فاسق و فاجر، اور اخلاقی جرائم کا عادی نہ ہو، معتمد اور مخلص ہو، تاکہ مشورہ دینے میں مخلصانہ رخ اپنائے، عرف عام سے باخبر ہو، جس مسلیے کے تحت مشور لیا جارہا ہو، اس میں مہارت رکھتا ہو یا اس کے گرد و پیش کی خبر رکھتا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مومن مسلمان کا کردار و عمل اطاعت الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبے سے سرشار ہونا چاہیے، مشورہ ایک حکم ہے اس پر عمل پیرا ہونے سے انسان عظیم خسارے سے بچ جاتا ہے۔ بھاگ دوڑ والی زندگی میں ہر انسان کسی نہ کسی الجھن اور مسئلے میں ضرور گھرا ہوتا ہے، اس گھیرابندی سے نکلنے کے لیے بسا اوقات بہت غور و فکر کے بعد بھی انسان فیصلہ نہیں کرپاتا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، جب ایسی صورت حال پیدا ہو، تو صاحب الرائے لوگوں سے فوراً مشورہ لیں۔ ان شاءاللہ العزیز مشورے کے بعد تمام دھندلے راستے صاف و شفاف آئینہ کی طرح نظر آنے لگیں گے یا مشیروں کی مخالفت کی صورت میں بھاری نقصان سے آپ محفوظ ہوجائیں گے مگر خیال رہے کہ مشورہ کے بعد اگر کسی کام کے کرنے کا عہد کرلیا ہے تو ساتھ ہی مالک حقیقی کی ذات پر توکل بھی ہونا چاہیے جبھی کامیابی آپ کا قدم چومے گی۔

---*---*---*---

نقد و نظر

کتاب : تاجدارِ کربلا اور تاریخِ خلافت
(حقائق و معارف کی روشنی میں)

مصنف : مفتی محمد علی فاروقی مصباحی

اشاعت : ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۷ء صفحات : ۵۵۲

ناشر : رضوی کتاب گھر، دہلی

ملنے کا پتہ: محسنِ ملت اکیڈمی، مدرسہ اصلاح المسلمین ودار الیتامیٰ، بیجناتھ پارہ، رائے پور، چھتیس گڑھ

تبصرہ نگار: محمد طفیل احمد مصباحی

سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اسلامی تاریخ کا وہ دلخراش واقعہ ہے جس کی یاد آج بھی اہلِ ایمان کو تڑپاتی ہے اور ان کی آنکھوں میں اشکوں کے سیلاب لے آتی ہے۔ مذہبِ اسلام کے تحفظ و بقا اور شریعتِ مصطفےٰ ﷺ کی پاس داری میں حضرت امام حسین نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے دنیا والوں کو یہ درس دیا ہے کہ حق کی حمایت میں باطل سے سمجھوتا کسی بھی حال میں نہیں کیا جا سکتا۔ گویا واقعۂ کربلا یا شہادتِ امام حسین حق و باطل کے درمیان ایک خطِ امتیاز اور حدِّ فاصل ہے۔ حسینیت حق پرستی کا نام ہے جب کہ یزیدیت ظلم و عدوان اور باطل پرستی کا نام ہے۔ اس موضوع پر سیکڑوں کتب و رسائل لکھے جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

زیرِ نظر کتاب "تاجدارِ کربلا اور تاریخِ خلافت حقائق و معارف کی روشنی میں" اسی سلسلے کی ایک خوب صورت کڑی ہے، جس میں واقعاتِ کربلا، خلافت و ملوکیت کی تاریخ اور ان کے ضروری متعلقات سے عالمانہ و ناقدانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب واقعاتِ کربلا پر لکھے گئے کتب و رسائل سے ذرا ہٹ کر ہے اور وہ اس طور پر کہ شہادتِ امام حسین یا وقعاتِ کربلا سے متعلق تحریر کی گئی کتابوں میں بالعموم خلافتِ راشدہ کے مختصر تذکرہ کے بعد کربلا کے دل سوز مناظر و واقعات پیش کیے جاتے ہیں اور "تمت بالخیر" کی مہر لگا کر کتاب ختم کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس کتاب کے مصنف نے واقعاتِ کربلا کے پس منظر اور پیش منظر بیان کرنے کے ساتھ "خلافتِ مدینہ سے ترکی تک" کے واقعات دلائل و شواہد کی روشنی میں بیان کیے ہیں۔

مصنف کے بقول:

"عام طور پر خلافت راشدہ کے مختصر تذکرہ کے بعد کربلا کے درد ناک واقعہ تک لا کر کتاب کو ختم کر دینا، عام مصنفین کی روش رہی ہے، مگر میں نے اس سلسلے میں ایک عنوان ہی قائم کیا ہے: خلافتِ مدینہ سے ترکی تک" جو ۱۳/ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۱۰/ جون ۶۲۳ھ سے چلی اور رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۳/ مارچ ۱۹۲۳ء تک کسی نہ کسی روپ میں اور کوئی نہ کوئی شکل میں قائم تھی۔ اسے میں نے سمیٹنے کی کوشش کی۔ ترکی کی خلافت پر شرعی حیثیت سے پہلے بھی گفتگو ہو چکی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔ وہ خلافت اگرچہ حقیقی و شرعی تو نہیں تھی صرف نام کی ایک خلافت تھی، مگر پھر بھی وہ عالمِ اسلام میں اتحاد کی ایک نشانی ضرور سمجھی جاتی تھی۔ مگر اغیار کی ریشہ دوانی نے اور یہودیت و نصرانیت کی سازشوں نے مصطفےٰ کمال پاشا کو اپنے دامِ تزویر میں لے کر جس طرح ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھیرا، وہ تاریخ کا درد ناک واقعہ ہے۔ اس لیے اس کتاب کے آخر میں اس پر روشنی صرف اس لیے ڈالی گئی تاکہ آنے والی نسلوں کے دل و دماغ میں باطل پرستوں، یہودیت اور نصرانیت کی خفیہ سازشوں اور ان کی چالوں کی ایک تصویر محفوظ رہے۔" (تاجدارِ کربلا اور تاریخِ خلافت، ص:۱۳)

یہ کتاب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب اور ان کے مابین رونما ہونے والے اجتہادی اختلافات و مشاجرات سے شروع ہوتی ہے، مصنف نے کتاب کے ابتدائی صفحات میں صحابۂ کرام کے مجموعی اعتبار سے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد ان علما و محدثین کی ایک فہرست بھی پیش کی ہے، جنھوں نے ان نفوسِ قدسیہ کی عظمتوں کے اظہار اور ان کے مجتہدانہ فکر و نظر کے اعتراف کے ساتھ ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی کرنے والوں کو عذابِ نار کا مستحق اور خدائی لعنت کا سزاوار قرار دیا ہے۔

خصوصی طور سے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت مولا علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ اہلِ بیتِ اطہار میں سے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، امام

حسن مجتبیٰ و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فضائل و مناقب اور محاسن و خصوصیات قرآن و حدیث اور اقوالِ ائمہ و محدثین کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کے دلائل و مندرجات سے مصنف کی دقتِ نظر، وسعت مطالعہ اور مبلغ علم وفکر کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت وعظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف نے دو وقیع عنوان "مولائے کائنات: حدیث میں" اور "حضرت علی اور شیعی روایات" کے تحت جو بیش قیمت معلومات نذر قارئین کی ہیں، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

صحیح حدیث پاک "من كنت مولاه فعلي مولاه" کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیعوں نے اس حدیث کو بنیاد بنا کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ بلافصل کا شوشہ چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ خود رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر طرح طرح کا الزام جڑ دیا جس کی تفصیل "احتجاج طبرسی شیعہ" وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کسی حدیث میں مولا کہنا اگر خلیفہ بلا فصل کی سند ہے تو حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ زید بن حارثہ کے بارے میں بھی مشکوٰۃ شریف میں ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أنت أخونا و مولانا" یعنی تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولا ہو۔" (تاجدار کربلا، ص:۱۸۱)

کتاب کا اصل موضوع تاجدارِ کربلا، سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت و رفعت اور واقعاتِ کربلا کا بیان ہے جو صفحہ ۲۶۸ر سے شروع ہوتا ہے۔ اس موضوع پر فاضل مصنف نے سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے اور قارئین کو کسی قسم کی تشنگی کا احساس نہیں ہونے دیا ہے۔ اندازِ بیان بڑا سنجیدہ اور عالمانہ ہے۔ واقعات کربلا کو اصل ماخذ سے پیش کرنے کی سعی مشکور کی گئی ہے۔

کتاب کے آخر میں سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور زمانہ نعتیہ قصیدہ جو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں استغاثہ کی شکل میں ہے، تحریر کیا گیا ہے، درج ہے۔ لیکن غفلت وعجلت کے سبب اس مبارک قصیدے میں پروف کی بہت ساری غلطیاں راہ پا گئی ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں ان خامیوں کی اصلاح کر دی جائے گی۔

اخیر کتاب میں ثانیِ فاطمہ زہرا سیدہ بی بی زینب، حضرت ام کلثوم اور بی بی سکینہ بنت امام حسین رضی اللہ عنہن کے مختصر حالات درج ہیں۔

مصنفِ کتاب حضرت مولانا محمد علی فاروقی مصباحی دام ظلہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ابنائے قدیم میں سے ہیں۔ آپ ایک علمی وروحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں جب کہ جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کا وصال پر ملال ہوا، آپ جامعہ اشرفیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ فاروقی صاحب ایک جیّد عالمِ دین، قوم و ملت کے بے لوث خادم، کامیاب مصنف اور ایک اچھے نثر نگار ہیں۔ اس وقت آپ رائے پور شہر کے قاضی اور مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامیٰ (رائے پور) کے مہتمم ہیں۔

موصوف اپنے سینے میں قوم و ملت کا بے پناہ درد رکھتے ہیں اور عوامی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ گذشتہ چالیس سال سے نہایت خلوص وللّٰہیت کے ساتھ دین و مذہب کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی آپ نے گراں قدر نقوش چھوڑے ہیں۔

آپ کے خامۂ زر نگار سے اب تک مندرجہ ذیل کتاب منصۂ شہود پر آچکی ہیں:

(۱)- مسجدِ اقصیٰ سے گنبدِ خضریٰ تک
(۲)- امام احمد رضا پر صیہونیت کی یلغار
(۳)- تاجدار چھتیس گڑھ (ہندی)
(۴)- حضرت محسنِ ملت
(۵)- امام احمد رضا اور شدھی آندولن
(۶)- اسلامی تعلیم اور مغربی تعلیم کا بنیادی فرق
(۷)- پیغمبرِ اسلام اور اکیسویں صدی
(۸)- پیغمبرِ اسلام اور ان کا سندیش

ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں

جون پور میں

مولانا محمد مفید عالم مصباحی
دار العلوم حنفیہ معینیہ، مقام خواجہ پور
پوسٹ رسول پور، ضلع جون پور

دھاروار میں

مولانا قاضی سید شمس الدین صاحب
پلاٹ نمبر ۳۵، مدنی کالونی، بیلاّ پور، اولڈ ہبلی-20
دھارواڑ (کرناٹک)

منظومات

منقبت

در شانِ سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تم میں ہے خواجۂ کونین کا جلوہ خواجہ
انجم و ماہ کریں ذکر تمہارا خواجہ
کیا ستائے گا اسے رنج و الم کا سورج
جس کو حاصل ہو ترے لطف کا سایہ خواجہ
ورقِ دل پہ رقم ہے شہِ بغداد کا نام
اور ہر سانس پکارے مری خواجہ خواجہ
خار باقی نہ بچیں گے نہ خزاں آئے گی
گلشنِ ہند میں اب آگیا میرا خواجہ
سبز و شاداب رکھے باغِ سخن کو میرے
تیرے الطاف و عنایات کا دریا خواجہ
کاش مجھ کو بھی اسی راہ پہ چلنا ہو نصیب
جس کو تو نے ہے چنا وہ ترا رستہ خواجہ
تاجور تو ہے ، عطائے شہِ کونین ہے تو
ہند میں صرف چلے گا ترا سکہ خواجہ
وجہِ ایجادِ دو عالم ہیں ترے جدِ کریم
خانوادہ ہے ترا سب سے نرالا خواجہ
طائرِ فکر کرے کتنی ہی پرواز مگر
پا نہیں سکتا ترے اوج کا پایہ خواجہ
وسعتِ کون و مکاں ہے تری مٹھی میں اسیر
سارے ساگر کو سمولے ترا کاسہ خواجہ
اہلِ شر معرکہ آرا ہیں سرِ شہرِ سکوں
پھر مدد ہے تری درکار ہمیں یا خواجہ
نوؔر نے جب بھی تجھے یاد کیا، جب سوچا
ہو گیا دل میں اجالا ہی اجالا خواجہ

سید محمد نورالحسن نوؔر نوابی عزیزی

حضور حافظِ ملت سے خطاب

دل کو جو چھو کے گزر جائے وہ تقریر ہے تو — جس سے روشن ہوں سیہ خانے وہ تنویر ہے تو
جس سے جاری ہے ابھی فیض وہ جاگیر ہے تو — جو نہ مٹ پائے گی تا حشر وہ تحریر ہے تو
تو وہ موضوع ہے جو کاغذ کو تکلم دے دے
تو وہ نغمہ ہے جو تاروں کو ترنم دے دے

تو وہ گفتار کا سورج ہے جو چھپنے کو نہیں — تو وہ کردار کا دریا ہے جو رکنے کو نہیں
تو وہ اعمال کا نقشہ ہے جو مٹنے کو نہیں — تو وہ اخلاص کا گوہر ہے جو بکنے کو نہیں
تو وہ گیسو ہے جو بکھرے تو مہکتا جائے
تو وہ ساون ہے جو برسے تو برستا جائے

عزمِ محکم کے صحیفوں کی کہانی تو ہے — جس پہ آئے نہ بڑھاپا وہ جوانی تو ہے
جو نہ رک پائے وہ طوفاں کی روانی تو ہے — جو نہ اترے کبھی باطل سے وہ پانی تو ہے
تیری رفعت پہ ستاروں کو بھی جھکتے دیکھا
تیرے جلوؤں سے ہر اک ذرہ چمکتے دیکھا

اک تری ذات میں وہ ذوقِ عبادت پایا — اک تری زیست میں وہ حسنِ جلالت پایا
اک ترے نفس میں وہ رنگِ طہارت پایا — اک ترے قول میں وہ رازِ صداقت پایا
جس کی تمثیل کا لانا، یہ بہت مشکل ہے
چاند بادل میں چھپانا، یہ بہت مشکل ہے

تو نے اک قوم کو وہ علم کی دولت بخشی — تو نے بجھتے ہوئے تاروں کو وہ طاقت بخشی
تو نے پژمردہ گلابوں کو وہ نکہت بخشی — تو نے تہذیب کی پستی کو وہ رفعت بخشی
جس کے جلوے ہیں ہر اک شے میں نمایاں اب تک
جس کے ممنون ہیں اربابِ گلستاں اب تک

مثل اک گردِ سفر در پہ ترے آیا ہوں — بس یہ اپنا ہے ہنر، در پہ ترے آیا ہوں
گو نہیں صاحبِ زر، در پہ ترے آیا ہوں — نقدِ جاں لے کے مگر در پہ ترے آیا ہوں
اپنی دہلیز سے محروم نہ کرنا مجھ کو
غیر کے در کا بھکاری نہیں رکھنا مجھ کو

تجھ کو عباسِ دلاور کی رفاقت کی قسم — تجھ کو چھ ماہ کے اصغر کی شجاعت کی قسم
تجھ کو شبیر کی پاکیزہ امامت کی قسم — تجھ کو سہ روز کے پیاسوں کی قناعت کی قسم
اب تو پردہ رخِ انور سے اٹھا دے مرشد
خفتہ آنکھوں کے مقدر کو جگا دے مرشد

زماںؔ امجدی قادری، گھوسی

سفرِ آخرت

آہ! حضرت مولانا مفتی قاری محمد نور الحق مصباحی مبارک پوری

سابق استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

ولادت-۷-۱۹۴۷ء/وصال-۱۳فروری ۲۰۱۸ء

مبارک حسین مصباحی

یہ افسوس ناک خبر تو آپ حضرات کو مل چکی ہوگی کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے شیخ القراء عارف باللہ حضرت مولانا مفتی قاری مقری محمد نور الحق مصباحی ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ/۱۳/ فروری بروز منگل قریب ۴/ بجے شام اپنے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا، اسی دن رات سوا نو بجے خادم مبارک حسین مصباحی انڈمان نکوبار سے اپنے گھر مبارک پور پہنچا مگر ہمیں آپ کے وصال پر ملال کی کوئی خبر نہیں ملی، صبح کو معلوم ہوا کہ رات بعد نمازِ عشا حضرت علیہ الرحمہ کی تدفین ہو گئی۔ اب افسوس کے علاوہ بس یہی تھا کہ انھیں ایصالِ ثواب کیا جائے، بفضلہ تعالیٰ وہ کیا گیا، آپ کے صاحب زادگان سے بھی ملاقات ہوئی۔ ہم نے اور حضرت مولانا محمد محبوب عزیزی نے انھیں صبر و شکر کی تلقین کی اور ان سے حضرت استاذ القراء کے تعلق سے بھی چند اہم معلومات حاصل ہوئیں۔

۱۹۹۰ء میں جب حضرت دار العلوم محمدیہ ممبئی سے دوبارہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تو ان سے ہمارا تعارف ہوا۔ اسی سال جامعہ اشرفیہ سے ہماری دستارِ فضیلت ہوئی تھی اور اس کے بعد تخصص میں رہے۔ حضرت قاری محمد نور الحق عزیزی ایک نیک طینت، بلند اخلاق اور صوم و صلاۃ کے شدید پابند تھے، ہم انھیں دیکھتے کہ اساتذۂ اشرفیہ سے ملاقات ہوتی تو فرطِ مسرت سے جھوم اٹھتے، ہم نے ۲۷/ سال کے طویل عرصے میں ایک بار بھی نہیں سنا کہ آپ کا کسی سے کبھی کوئی اختلاف ہوا ہو، وہ سنجیدہ اور باوقار شخصیت تھے وہ ہمیں جب دیکھتے تو دور ہی سے دونوں ہاتھ پھیلا دیتے، ہم ان کی دست بوسی کرنے کی کوشش کرتے مگر وہ ہمیشہ ہمیں اپنے سینے سے لگا لیتے، کبھی کبھی عربی زبان میں بھی خیریت دریافت فرماتے، بر وقت ہم بھی کچھ جواب دینے کی کوشش کرتے، ان کی وضع قطع سادہ اور عالمانہ وقار کے ساتھ رہتی، کرتا، پائجامہ، صدری، بڑا رومال اور سر پر ٹوپی، دیکھ کر لگتا تھا کہ کوئی مردِ خدا ہے۔

ان کے سراپا کی منظر کشی ہم سے تو بہت مشکل ہے۔ بڑا گول نورانی چہرہ، دلکش لبوں پر ذکرِ الٰہی کا رنگ چھایا ہوا۔ آنکھیں بڑی بڑی اور عشقِ الٰہی سے سرشار، مائل بہ دراز میانہ اور پر وقار قد و قامت، چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں ہمیشہ نیچی نگاہیں، لوگوں کا کہنا ہے یہی انداز حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا تھا۔ حضرت قاری صاحب انھیں کے مریدِ خاص اور تلمیذِ رشید تھے۔ شیخ کا عکس اگر مرید میں نہ آئے تو یہ بیعت و ارادت رنگِ طریقت سے خالی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت کے فرزندِ صغیر محترم حکیم فضلِ رسول صاحب نے فرمایا کہ حضرت والد گرامی جامعہ اشرفیہ سے تشریف لانے کے بعد اپنے خاص حجرے میں گوشہ نشیں ہو جاتے، ان سے بات کرنے کے لیے ہمیں بڑی ہمت کرنی پڑتی تھی۔ ہاں صرف نماز با جماعت کے لیے مسجد تشریف لے جاتے وہ بھی انتہائی سادگی اور سر خمیدگی کے ساتھ، راہ میں کوئی مل جاتا تو اپنے خاص انداز سے دو چار جملے مسکرا کر فرما دیتے، اکثر ملنے والوں کو اپنے گھر تشریف لانے کی دعوت پیش فرماتے، انھوں نے بتایا کہ بارہا ایسا ہوا کہ ہمیں کچھ پیسے درکار ہوئے، ہم اپنے مطب پر کچھ بے چین ہوئے اور حضرت والد صاحب کہیں سے آئے اور روپے دے کر رخصت ہو گئے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ والد مرحوم اپنے وصال کے بعد بھی کچھ دیتے ہوئے نظر آئے، مگر ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ کیا دے کر گئے۔ جناب فضلِ رسول نے فرمایا کہ ایک بار باہر سے فون آیا کہ حضرت سامان آپ کو مل گیا، آپ نے فرمایا کہ ہاں مل گیا، مگر ہمیں نہیں معلوم ہو سکا کہ کیا بھیجا تھا جو انھیں مل گیا۔ لگتا یہی ہے کہ کوئی کھانے پینے کا سامان ہی بھیجا ہوگا۔ ہم نے ان سے حضرت قاری صاحب کے موبائل کے تعلق سے دریافت کیا تو فرمانے لگے: حضرت موبائل کہاں رکھتے تھے، انھیں جب کسی سے بات کرنا ہوتی تو ہمارے ہی موبائل سے لگواتے اور پھر گفتگو فرماتے۔ وصال کے بعد ایک بار خواب میں زیارت ہوئی تو فرمانے لگے: ابو فضل رسول بات کراؤ۔

ہم نے حضرت کے دونوں صاحب زادگان سے حضرت کے آخری لمحات کے بارے میں دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ حضرت کی طبیعت تو ٹھیک تھی، بس یہی نزلہ زکام ہو گیا تھا، صبح میں ہم نے ناشتہ بھی کرایا، حضرت

نے جوشاندہ طلب فرمایا، ہم نے وہ بھی ان کے قریب رکھوادیا، وہ اپنے پاس چھوہارے رکھتے تھے، جنھیں کبھی بھی حسب منشا کھالیا کرتے تھے، اس کے بعد بھی اہل خانہ دیکھتے رہے۔ تین بجے دن کے قریب ہم نے اپنی بیٹی کو بھیجا کہ دیکھو دادا جان کیا کر رہے ہیں، اس نے دیکھا مگر دادا جان نظر نہیں آئے، اس کے بعد گھر کے دیگر حضرات نے بھی دیکھا، ایک اور کمرے کا شبہہ ہوا تو وہ بھی بند تھا، بعد میں ذرا توجہ سے دیکھا تو حضرت سجدے کی حالت میں بے خبر موجود تھے، اس کے بعد متعدّد ڈاکٹروں کو بلایا، ہر ایک نے کہا کہ اب ہمارے قاری صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ہم نے معلوم کیا: پہلے ڈاکٹر نے کس وقت کہا کہ حضرت اب نہیں ہیں؟ تو ان کا جواب تھا کہ یہی کوئی ساڑھے تین بجے کا وقت ہوگا۔ ہم نے احتیاطی طور پر قریب ۴؍ بجے وصال کا وقت لکھا ہے۔

حضرت عام طور پر جامعہ اشرفیہ سے اپنی قیام گاہ تک پاپیادہ تشریف لے جاتے تھے۔ یہ فاصلہ بھی قریب ڈیڑھ کلو میٹر ہوگا، سر پر رومال ڈال کر آنکھیں جھکائے چلتے تو لگتا کہ کوئی مرد قلندر ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ ادھر دو تین سال سے آپ کافی کمزور ہوگئے تھے۔ آپ نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینے کی درخواست دی مگر ذمہ داران ادارہ نے فرمایا کہ آپ کو پابندی سے آنا ضروری نہیں، آپ حسب منشا آتے رہیں۔ یہ حضرت قاری صاحب کے اخلاص اور تقویٰ شعاری کا فیض تھا کہ انھیں یہ آسانی میسر آئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل غریق رحمت فرمائے۔ آمین۔

ولادت اور تعلیم و تربیت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۴۷ء میں محلہ پورہ دیوان مبارک پور میں ہوئی، آپ کے والد ماجد حافظ عنایت اللہ بن حاجی سلیم اللہ مبارک پوری تھے، جو مبارک پور میں اپنی سادگی اور نیک عملی کی وجہ سے کافی متعارف تھے، حضرت کے برادر کبیر جناب شمس الحق مرحوم تھے جو "امام صاحب" کے نام سے متعارف تھے۔ آپ حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کے گھر کا کافی بیرونی کام انجام دیتے تھے۔ عام طور پر حضرت عزیز ملت کو جامعہ اشرفیہ تک پہنچاتے، ان سے بڑے ادب و احترام کے ساتھ پیش آتے، موصوف ہم سے بھی بڑی محبت فرماتے تھے۔

آپ نے قاعدۂ بغدادی سے دار العلوم اشرفیہ میں تعلیم کا آغاز فرمایا اور اس کے بعد درس نظامی کی مکمل تعلیم بھی اسی دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں حاصل فرمائی، ابتدائی کتابیں، استاذ القراء حضرت قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ سے اور حضرت مولانا سید شمس الحق گجہڑوی سے فارسی کتب، علم الصیغہ، ہدایۃ الحکمۃ اور دیگر ابتدائی کتب پڑھیں، مولانا ظفر ادیبی سے نور الانوار اور عربی ادب کی بعض کتابیں پڑھیں، پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ حامد اشرف جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے قطبی، میر قطبی، رسالہ میر زاہد جیسی کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا، حضرت مولانا قاضی شفیع احمد علیہ الرحمہ سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ سے متنبی اور ملاحسن پڑھیں، بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی قدس سرہ العزیز سے شرح جامی، مختصر المعانی، المطول، ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف اور سراجی جیسی اہم کتابیں پڑھیں اور تشریح مرتب فتاویٰ رضویہ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی نائب صدر المدرسین سے پڑھی، جب کہ اپنے خاص استاذ مرشد طریقت جلالۃ العلم حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ سے جلالین شریف، ترمذی شریف اور بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل فرمائی۔

ہم نے چند سطر میں درس نظامی کے اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی شمار کرا دیے۔ یہ اتنی آسان چیز نہیں ہے بلکہ ان علوم و فنون کے ہفت آسماں طے کرنے سے ایک ان پڑھ بندۂ خدا عالم ربانی بن جاتا ہے۔ اس کا مقام بارگاہ الٰہی میں اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ فرشتے اس کے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور دریاؤں کی مچھلیاں اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ وہ انبیائے کرام کے علوم کا وارث بن جاتا ہے اور دنیاوی اعتبار سے اس کا مقام اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ اس کے اقوال و افعال سے سنن مصطفیٰ ﷺ کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اسی کے بتائے طریقوں پر چلنا عام لوگوں کی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے، زندگی اور بندگی کی راہیں اسی کے کردار و عمل سے طے ہوتی ہیں، بشرطیکہ وہ عالم ربانی ہو اور اس کی زندگی سیرت رسول ﷺ کے مطابق گزرتی ہو، بفضلہ تعالیٰ ہمارے قاری صاحب سیرت رسول ﷺ کی سچی تصویر بننے کی کوشش فرماتے تھے، ان پر علم و عمل کے ساتھ تصوف اور تقویٰ شعاری کا بھی غلبہ تھا، بلکہ اس کے رنگ کا جلوہ نمایاں تھا

آپ کی دستار فضیلت دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں ۹؍ شعبان ۱۳۵۸ھ/۱۹۶۵ء میں ہوئی، آپ کی سند پر "الامضاء لصدر المدرسین" میں عبد العزیز عفی عنہ، مظفر حسن، عبد المنان اعظمی، عبد الرؤف غفرلہ، محمد شفیع اعظمی، سید حامد اشرف غفرلہ اور الامضاء للقیم کے تحت یہ اسمائے گرامی ہیں: سید محمد مختار اشرف، سجادہ نشیں سرپرست مدرسہ ہذا، اصدق ذالك، محمد سلیمان اشرفی غفرلہ۔ محمد یحییٰ غفرلہ، ناظم اعلیٰ اشرفیہ

فراغت کے بعد آپ مدرسہ تجوید الفرقان دریائی ٹولہ لکھنؤ میں تشریف لے گئے، یہاں آپ نے استاذ القراء حضرت قاری ابن ضیاء محب

الدین علیہ الرحمہ سے قراءۃ سبعہ وعشرہ کی تکمیل فرمائی۔ یہ دونوں کورس آپ نے صرف ایک سال میں مکمل فرما لیے۔ زندگی کا اکثر حصہ آپ نے تجوید و قراءت کے فروغ میں صرف فرمایا۔

تدریس اور فتویٰ نویسی: آپ کے استاذ گرامی حضور حافظِ ملت نور اللہ مرقدہ نے آپ کو قراءت عشرہ کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۷ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں مدرس منتخب فرمایا، یہاں آپ نے شعبۂ تجوید وقراءت میں بڑی محنت سے اس فن کو فروغ دیا۔ اس دور کے کامیاب تلامذہ آج بھی ملک اور بیرون ملک میں دین وسنیت کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء تک آپ نے مبارک پور میں اس زریں خدمت کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ ۱۹۷۲ء میں بحیثیت نائب شیخ الحدیث دار العلوم محمدیہ ممبئی میں تشریف لے گئے، وہاں آپ نے علوم وفنون کی مختلف اعلیٰ کتب کا درس دیا۔ ان کتب میں چند نام یہ ہیں: جلالین شریف، صحیح مسلم شریف، ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین، سراجی اور متنبی وغیرہ۔ اس دور میں ایک سے ایک یکتائے زمانہ علما اور فضلا پیدا ہوئے۔ سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی نے فرمایا کہ امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر علی نوری بھی آپ کے ایک اہم تلمیذ رشید ہیں۔ حضرت سراج الفقہا نے مزید فرمایا کہ حضرت قاری صاحب وقت کے شدید پابند تھے، وقت پر جامعہ آتے اور وقت کے بعد اپنی درس گاہ سے باہر نکلتے، آپ نے مزید فرمایا کہ امتحان کے مواقع پر ہمیں ان سے بڑی سہولت ملتی، ہم نے ان سے عرض کیا کہ آپ دار التجوید میں باہر تشریف رکھیں اور جب جہاں جو ضرورت ہے پوری فرمانے کا حکم صادر فرمائیں۔ انھوں نے اس اہم کام کو بحسن وخوبی نبھایا۔ حضرت سراج الفقہا نے فرمایا کہ ایک بار بھی ان کے تعلق سے کوئی ایسی بات سننے میں نہیں آئی جس سے ان کی ذمہ دارانہ شخصیت پر حرف آئے۔ ماشاء اللہ حضرت بہت نیک اور صالح بزرگ استاذ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

دار العلوم محمدیہ ممبئی میں آپ مسلسل آٹھ برس تک بحیثیت نائب شیخ الحدیث رہے۔ شروع سے آخر تک آپ نے وہاں ایک ذمہ دار مفتی کی حیثیت سے فتویٰ نویسی بھی فرمائی۔ یہ فتاویٰ حضرت کا ایک اہم قلمی سرمایہ ہے۔ اے کاش کوئی باصلاحیت فاضل ان فتاویٰ کو مرتب فرمادے تو فتویٰ نویسی میں بھی آپ کی ایک عملی شناخت سامنے آئے گی، اور آپ کی فقہی بصیرت بھی زندہ رہے گی۔

۱۹۹۰ء میں آپ دار العلوم محمدیہ ممبئی سے مستعفی ہو گئے، اس کے بعد اپنے وطن مبارک پور تشریف لے آئے، جامعہ اشرفیہ کے ذمہ داروں کو معلوم ہوا اور باہم مشورے سے شہزادۂ حافظِ ملت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے آپ کو ۱۹۹۰ء میں پھر شعبۂ تجوید وقراءت میں مدرسِ اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب فرما لیا۔ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۸ء تک ۲۷/ سال سے زائد عرصہ تک آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے احوالِ حیات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تجوید وقراءت کے عام کرنے میں کلیدی کردار ادا فرمایا۔ قراءۃ حفص، قراءتِ سبعہ اور قراءتِ عشرہ میں آپ نے نام ور قرائے کرام پیدا فرمائے۔

بیعت و خلافت: حضرت استاذ القراء علیہ الرحمہ فطری طور پر نیک اور صالح تھے، کسی بھی انسان کی صلاح وفلاح میں درس گاہی اثرات تو بلا شبہہ تبدیلی پیدا کرتے ہیں، لیکن گھر کے حالات بھی انسانی زندگی میں بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہمارے قاری صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی میں دونوں ہی جہتوں سے نیک اور صالح ماحول دیکھنے کو ملا، ان کے اثرات آپ کی سیرت پر بھی خوب ظاہر ہوئے۔ زندگی میں روحانی اثرات پیدا کرنے کے لیے پہلا مرحلہ بیعت ہونے کا ہوتا ہے، اس کے لیے آپ کو کہیں باہر جانا نہیں ہوا، ہم سب یہ خوب جانتے ہیں کہ حضور حافظِ ملت اپنے تلامذہ یا دیگر حضرات کو مرید کرنے کے شائق نہیں رہتے تھے، بلکہ ہمیشہ دیگر بزرگوں سے بیعت ہونے کا مفید مشورہ دیتے تھے، حضرت استاذ القراء علیہ الرحمہ بھی ایک نام ور عالم ربانی اور یکتائے روزگار قاری ومقری تھے، آپ کو یوں ہی مرید نہیں کیا ہوگا، بلکہ یقیناً بہت اصرار کے بعد ہی آپ کو اپنے دامنِ روحانی سے وابستہ کیا ہوگا۔ اب ہم ذیل میں آپ کے مرشدِ طریقت حضور حافظِ ملت قدس سرہ کی جانب سے جاری کردہ شجرۂ عالیہ قادریہ رضویہ واشرفیہ کا وہ خاص صفحہ نقل کرتے ہیں جس میں شیخ ومرید کے اسمائے گرامی اور تاریخ بیعت درج ہے:

الٰہی بعجز و نیاز بندۂ عاجز عبد العزیز بن حافظ محمد غلام نور علیہ الرحمۃ والرضوان اللھم صل وسلم و بارك علیه و علیهم جمیعا و علیٰ سائر اولیائك و علینا معهم یا ارحم الراحمین، اٰمین۔ الٰہی بحرمت ایں مشائخ عاقبت بندۂ خود۔ محمد نور الحق۔ ساکن مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، بخیر گرداں۔

دستخط عبد العزیز عفی عنہ۔

تاریخ ۲۲/ ماہ صفر ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء"

آپ کے پاس شجرۂ عالیہ طبقاتیہ طیفوریہ مداریہ بھی محفوظ ملا جس میں

آپ کے فیض یاب ہونے کا ذکرِ خیر ہے۔ اب ہم ذیل میں دو خلافت نامے درج کرتے ہیں:

پہلا خلافت نامہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ جلا جلالہ   یا محمد ﷺ

یا غوث الاعظم

ولا یؤدہٗ حفظھما وھو العلی العظیم

خلافت نامہ

آج بتاریخ ۵؍ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ بمطابق ۲۱؍ اگست ۱۹۷۷ء بمقام نواز منزل کرلا، بمبئی نمبر ۷۰ میں حضرت مولانا قاری محمد نور الحق صاحب المعروف بغوث الاسلام قادری وارثی عزیزی قصبہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی) کو سلسلۂ عالیہ قادریہ وارثیہ چشتیہ نظامیہ اشرفیہ نقشبندیہ سہروردیہ رضویہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ کی شریعت و طریقت میں مشائخ عظام کے محضر میں عام اجازت دیتا ہوں۔

المجیز: سید جمیل احمد وارثی رہنمؔا

غلام۔ بھائی خواجہ عبد اللطیف حبیبی

دوسرا خلافت نامہ:

یاحی   یااللہ   یاقیوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم محمد و آلہ و صحبہ و اولیاء امتہ اجمعین.

اما بعد! میں عبد اللطیف حبیبی آج بتاریخ ۱۱؍ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ کو مولوی محمد نور الحق بن حافظ عنایت اللہ مبارک پوری اعظمی کو سلسلۂ عالیہ قادریہ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ حافظیہ حبیبیہ کی خلافت و اجازت دی۔ اب مولوی موصوف اس سلسلے میں لوگوں کو داخل کرنے کے مجاز ہوں گے۔

غلامِ خواجہ عبد اللطیف سرنگ حبیبی چشتی نظامی قادری

۷؍ دسمبر ۱۹۸۷ء

مناظرے اور تحریکیں:

استاذ القراء کی شخصیت بڑی وجیہ اور پر اثر تھی، مدِ مقابل اگر کسی دینی معاملے میں غیر شرعی طور پر آگے بڑھنے اور اپنی غلط بات کو منوانے کی کوشش کرے تو آپ کے سامنے بڑا مشکل ہوتا۔ جہاں باطل عقائد اور غیر اسلامی معمولات والے دیگر مکاتب فکر کے علما ہوں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ آپ کے سامنے اپنی باتیں سامعین کو منوا کر چلے جائیں، آپ نے ممبئی کے عہدِ قیام میں متعدّد مناظرے فرمائے اور دیوبندی مکتب فکر کے حاملین کو ناکام و نامراد کیا۔

آپ نے ایک مناظرہ رویتِ ہلال کے شرعی ثبوت کے موضوع پر ممبئی میں کیا گیا، اس دیوبندی عقیدے کے حامل ازہری مولوی کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ریڈیو اور ٹیلی فون کے اعلان سے چاند کا ثبوت ہو جائے گا، آپ نے فقہ حنفی کے قوی دلائل سے یہ ثابت فرمایا کہ آپ کی سوچ غلط اور غیر شرعی ہے، اسلامی شریعت میں ان دونوں کی حیثیت محض ایک خبر کی ہے شہادتِ شرعی کی ہرگز نہیں۔ آپ نے مدِ مقابل کو شکستِ فاش دی اور وہ سامنے سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔

اس مناظرے کی سرپرستی، مرشدِ طریقت حضرت مولانا شاہ سید حامد اشرف جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرما رہے تھے، حضرت سید صاحب جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سابق استاذ اور دار العلوم محمدیہ ممبئی کے بانی و مہتمم تھے۔ دیگر موجودین میں مفتی جہاں گیر فتح پوری، فاضلِ اشرفیہ حضرت مولانا سخاوت علی مصباحی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا ظہیر الدین اشرفی جیسے باکمال حضرات تھے۔

مشہور عالمِ دین حضرت مولانا حامد فقیہ ناظم علیہ الرحمہ آپ کو بحیثیت مناظر رتناگیری لے کر گئے، جہاں آپ نے باطل پرست ایک وہابی مولوی سے کامیاب مناظرہ فرمایا۔ اسی طرح آپ نے مختلف مواقع پر کامیاب مناظرے فرمائے۔

آپ ایک کامیاب واعظ اور مقرر بھی تھے، مختلف مواقع پر آپ نے اہم خطابات فرمائے، خاص طور پر ممبئی کی سرزمین پر آپ امامت و خطابت فرماتے تھے، جہاں تک ہماری معلومات ہے، وہاں آپ نے دو مقامات پر یہ ذمہ داری بخوبی نبھائی، کرلا ممبئی میں راقم مبارک حسین مصباحی سے ان کے کئی مقتدیوں نے ان کے فضائل و مناقب بیان فرمائے، ان کی دریا دلی اور سخاوت مزاجی تو بڑی مشہور تھی۔

ایک بار حضرت استاذ القراء راقم مبارک حسین مصباحی سے فرمانے لگے کہ یہ ہمارے طالب علمی کے زمانے کی بات ہے۔ حضرت کے خادم کی حیثیت سے ہم بھی مبارک پور کی محفلِ میلاد میں موجود تھے۔ اب حضور حافظِ ملت نے ناظمِ میلاد کو حکم دیا کہ محمد نور الحق کے نام کا اعلان فرما دیجیے۔ اتنا سن کر ہماری تو حالت غیر ہونے لگی، ہم نے اپنے استاذ گرامی سے لاکھ

عرض کیا، حضور ہمیں کچھ یاد نہیں ہے، مگر حضور حافظِ ملت نے انتہائی شفقت سے فرمایا: میاں بولیے اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا، ہم نے بھی رٹی ہوئی ایک تقریر سنائی، دورانِ تقریر حضور حافظِ ملت کے داد دینے کا انداز بڑا حوصلہ افزا تھا، ہر ہر جملے پر سبحان اللہ، ماشاء اللہ فرماتے رہے۔ جب ہم تقریر کر کے ہانپتے کانپتے بیٹھے تو حضرت نے برجستہ فرمایا، جب آپ کی تیاری نہیں تھی تو اتنی اچھی تقریر فرمائی اور جب تیاری ہوگئی تو کیا عالم ہوگا۔ اللھم زد فزد.

تحریک خاکسارانِ حق ممبئی کا بھی آپ کو ذمہ دار بنایا گیا، اسی طرح دیگر تحریکوں میں بھی آپ نے اہم کردار ادا فرمائے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ کے وصال پُر ملال سے اہلِ مبارک پور اور ممبئی کے خاص حلقوں میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی ہے، مختلف حضرات نے اپنے اپنے طور پر ان کے لیے دعاے مغفرت فرمائی۔ پس ماندگان میں آپ کی اہلیہ محترمہ، دو صاحب زادگان محمد فضل حق، محمد فضل رسول اور ایک بیٹی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صبر و شکر کی توفیق خیر عطا فرمائے اور دیگر متعلقین اور تلامذہ کو بھی زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کرنے کی اور کرانے کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

فن تجوید وقرات کا ایک ستارہ غروب ہوگیا

از: محمد کمال الدین اشرفی مصباحی، دیناج پور

سرزمین ہند کی عالمی شہرت یافتہ مرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور أعظم گڑھ کے مایہ ناز و موقر استاد فخر العلما، استاذ القرا ماہر قرات سبعہ و عشرہ کثیر التلامذہ حضرت علامہ مقری و مفتی قاری نور الحق مصباحی مبارک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سانحہ ارتحال جماعت اہل سنت کے لیے ایک عظیم خسارہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔ آپ کے وصال سے فن تجوید وقرات کی دنیا میں ایک عظیم خلا پیدا ہوگیا اور اس فن کا یہ مہر درخشاں ہمیشگی کے لیے غروب ہوگیا، آپ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مرید و تلمیذ خاص تھے اور جامعہ اشرفیہ مبار کپور کے ایک لایق و فائق اور باصلاحیت مخلص استاد تھے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے آپ کو گہرا ربط تھا اور ان کے محبوب نظر تھے آپ نے اپنی خداداد صلاحیت اور ذہانت و فطانت سے جامعہ اشرفیہ کے شعبہ تجوید و قرات کو کافی فروغ دیا ملک و بیرون ملک میں آج ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ اور آپ کی درسگاہ کے فیض یافتہ درسگاہوں کے مسند نشیں اور مساجد کی امامت کے مناصب پر چمک دمک رہے ہیں جامعہ اشرفیہ جو معیار تعلیم میں اپنی مثال آپ ہے وہ اپنے فرزندں کو دینی و عصری علوم و فنون کے ساتھ تجوید و قرات جو علم دین کا ایک لازمی حصہ ہے اس سے بھی بھرپور مزین کرتا ہے اور اس شعبہ کو پروان چڑھانے میں استاذ القراء کا اہم رول ہے افسوس صد افسوس آج کل اس شعبہ کی طرف ہماری توجہ بہت کم ہوگئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ یہ شعبہ ہمارے مدارس اسلامیہ سے ختم ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔

حضرت استاذ القراء علیہ الرحمہ کی پوری تعلیم جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ہوئی تھی وہ جامعہ اشرفیہ کے ایک نامور فاضل جلیل مصباحی تھے اور فرزندان اشرفیہ میں ایک نمایاں مقام اور منفرد شناخت رکھتے تھے اور اساتذۂ اشرفیہ میں ایک منفرد المثال شخصیت کے مالک تھے۔ قرات حفص و عشرہ اور سبعہ میں کامل مہارت اور مکمل دسترس رکھتے تھے۔ صرف ایک مقبول اور باصلاحیت قاری ہی نہیں بلکہ ایک باصلاحیت عالم و فاضل اور کہنہ مشق مفتی بھی تھے معقولات و منقولات پر گہری نظر رکھتے تھے اور میدان تحقیق و افتا کے عظیم شہسوار تھے ملک کے عظیم ادارہ دار العلوم محمدیہ، ممبئی میں تدریس و افتا کی خدمات انجام دیں اہم عہدوں پر فائز رہے۔ شاگردوں کا بہت بڑا کارواں ملت کو عطا کیا اور اپنی یاد میں قیمتی فتاوے کا ایک ذخیرہ بھی قوم کے حوالے کر گئے۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود آپ نہایت ہی سادگی اور خاکساری کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ وضع قطع حال و قال میں اپنی مثال آپ تھے اپنی ہمہ جہت شخصیت پر کچھ بھی اترانا اور غرور آپ کو نہیں تھا اور نہ اپنے قول و فعل سے اسے کبھی محسوس ہونے دیا جس کی کھلی مثال یہ ہے کہ آپ نے تقریبًا ستائیس سال تک جامعہ اشرفیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں لیکن حال یہ تھا کہ حضور عزیزِ ملت نے جس شعبہ کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا تھا آپ نے اپنے آپ کو ہمیشہ اسی میں محدود رکھا اور پوری محنت و جانفشانی اور بھرپور توجہ و دلچسپی کے ساتھ تعلیم دیتے رہے اور اسی میں اپنی پوری زندگی تمام اور قربان کر دی دیگر شعبوں کی طرف رخ نہیں کیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ کے معاصرین اور قریبی لوگوں کو چھوڑ کر بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ آپ قاری ہونے کے ساتھ عالم و فاضل اور مفتی بھی تھے اس دور شہرت و خود پسندی میں ایسی صفتیں بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں اور ایسے افراد مدتوں بعد جنم لیتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے آمین

☆☆☆☆

صدائے بازگشت

حافظ ملت ایک انقلاب آفریں شخصیت

حافظ ملت جلالۃ العلم علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی کی ایک ایسی انقلاب آفریں شخصیت ہیں جنہوں نے بیک وقت کئی میدان میں بہت ہی اہم اور نمایاں کارنامے انجام دیے۔ درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، تنظیم وتحریک سے لے کر اصلاح معاشرہ تک حافظ ملت نے اپنے عہد میں ہر فیلڈ میں مخلصانہ جدوجہد کی اور کامیاب بھی رہے۔ بالخصوص درس وتدریس اور افرادسازی میں نہایت قابل رشک وتاریخ ساز کارنامے انجام دیے۔ حافظ ملت نے جس خلوص ولگن اور انتھک جدوجہد سے ایک مکتب کو مدرسہ اور اس مدرسہ کو دارالعلوم اور ایک عظیم جامعہ کے مقام تک پہنچایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حافظ ملت نے اپنے اس عظیم کام کے ذریعہ یہ ثابت کردکھایا کہ اگر جذبہ ولگن ہو، ارادہ بلند اور نیت درست ہو تو نامساعد حالات میں بھی ملت کی ڈوبتی اور ہچکولے کھاتی کشتی کو ساحل سے ہمکنار کیا جاسکتا ہے۔

ملت کی حالت زار پر آنسو بہانے والے بہت ہیں، ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر قربان کرنے کا مشورہ دینے والوں کی بھی کمی نہیں رہی لیکن ایسے کم لوگ ہوتے ہیں جو ملت کے لیے زمینی سطح پر کچھ فلاحی کام کرگزرتے ہیں۔ ایسے ہی مخلص رہنماؤں میں سے ایک نام حافظ ملت کا بھی ہے۔ حافظ ملت کام پر یقین رکھتے تھے۔ آپ نے اس باب کی کمی کا رونا کبھی نہیں رویا بلکہ ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبود کے لیے ٹھوس منصوبہ بناکر اسے عملی جامہ پہنایا اور مقصد میں کامیابی کے لیے ذاتی مفاد پر ملی مفاد کو ہمیشہ ترجیح دی۔

زمین کے اوپر کام اور زمین کے نیچے آرام، حافظ ملت کا یہ قول آج بڑے شوق سے دہرایا جاتا ہے لیکن اس کے تہ میں اتر کر غور وفکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ حافظ ملت کے ذریعہ تعلیمی میدان میں اتنا بڑا انقلاب ایسے نہیں برپا ہوا بلکہ اس کے لئے آپ نے اپنی پوری صلاحیت اور فکری توانائی صرف کردی اور زندگی کے آخری ایام تک دین ومذہب کی اشاعت کرتے رہے۔ اور آج پوری دنیا اس بات کی قائل ہے کہ یقیناً حافظ ملت کی پوری زندگی خدمت دین اور قومی وملی فلاح سے عبارت ہے۔ ہمہ وقت کام میں لگے رہنا اور کام کے جذبہ سے سرشار رہنا حافظ ملت کا خاص شیوہ تھا اور یہی شیوہ حافظ ملت کے تلامذہ وشاگردوں میں بھی نظر آتا ہے۔ جامعہ اشرفیہ اور وہاں کے فارغین کو آج جو غیر معمولی شہرت ومقبولیت حاصل ہے اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ ان کا مطمح نظر صرف کام ہے۔ کام ہی کی بدولت اشرفیہ پوری دنیا میں جاناجاتا ہے اور وہاں کے فارغین قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

اپنی زندگی بہتر بنانے کی فکر ہر کسی کو ہوتی ہے لیکن دوسروں کے لیے جینے والے انسان کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس پہلو سے بھی جب ہم حافظ ملت کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں۔ حافظ ملت کا ماننا تھا کہ زندگی وہی ہے جو دوسروں کے کام آسکے۔ حافظ ملت نے اپنے اس قول کی تصدیق عمل سے کی۔ طلبہ کے ساتھ آپ کا رویہ انتہائی مشفقانہ تھا۔ کوئی طالب علم بیمار پڑتا تو آپ اس کی عیادت کو جاتے ساتھ میں کھانے پینے کا سامان بھی لے جاتے اور اسے محبت بھرے انداز میں پیش کرتے بچے کی صحت یابی کے لیے پرخلوص دعائیں بھی کرتے۔ آپ کا یہی سلوک تمام مسلمانوں اور مصیبت میں گھرے ہر شخص کے ساتھ تھا۔ حافظ ملت ان ساری صفات اور خوبیوں کے جامع تھے جو ایک عالم ربانی اور زندہ دل قائد ومصلح کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ حافظ ملت کی زندگی نہ صرف اساتذہ ومعلّمین کے لیے مشعل راہ ہے بلکہ حافظ ملت ان تمام افراد کے لیے بھی آئیڈیل ہیں جو تعلیمی، تبلیغی، تنظیمی اور اصلاحی امور میں کچھ کر گزرنے کا سچا جذبہ رکھتے ہیں۔

از: محمد عرفان قادری

استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ

آپ کا اداریہ دینی ودعوتی افکار سے لبریز اور فکر انگیز

محترم المقام حضرت العلام الحاج مولانا مبارک حسین مصباحی دام فضلکم ...السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے!

ماشاء اللہ تعالیٰ ہر ماہ ماہنامہ اشرفیہ گھر تک بحفاظت پہنچ جاتا ہے اور قلب ونظر کی دینی وعلمی تشنگی وتشفی کا عظیم ذریعہ بنتا ہے۔ بلاشبہ آپ

کا ادار یہ بھی دینی و دعوتی افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ ملکی و ملی فکر انگیز پیغامات سے لبریز ہوتا ہے۔وقت و حالات کے مد نظر آپ کا تحریری پیغام ملت واہلسنت کے نام بصیرت افروز ہوتا ہے۔جہاں تک ماہنامہ اشرفیہ کے دیگر مطبوعہ مضامین ہیں، وہ بلا ریب دوسرے سنی جرائد و رسائل کے مقابلے میں اپنی ایک مخصوص علمی پہچان اور ایک ممتاز و منفرد تحریری شان کے حامل ہوتے ہیں۔دنیا جو بھی کہے ،اختلاف رائے لاکھ سہی اور ہزار درسگاہی و خانقاہی تنگ نظری کیوں نہ ہو!مگر جامعہ اشرفیہ ،علمائے اشرفیہ ،ماہنامہ اشرفیہ ،قلمکارانِ اشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ کے علم وعرفان اور ان کی خدمات و فیضان سے کوئی بھی ذی شعور فرار وانکار نہیں کر سکتا۔وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ لگتا ہے کہ تعصب و تشدد، تنگ نظری و کوتاہ بینی اور حسد و مفاد پرستی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

لیکن ہمیں حوصلوں کو سمیٹ کر، صلاحیتوں کو جوڑ کر اور اکائیوں کو ملا کر جس سے بھی جہاں تک ہو سکتا ہے اور جس قدر ہو سکتا ہے انفرادی واجتماعی طور پر اخلاص نیت وعمل کے ساتھ اسلام واہلسنت اور ملک وملت کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ بیشک ہر جگہ ایسے چند مخلصین ضرور ہیں جو اپنے کام پہ لگے ہوئے ہیں۔

حسن تدبیر سے جاگ اٹھتا ہے قوموں کا نصیب
کبھی تقدیر بدلتی نہیں ارمانوں سے

مخلصانہ گزارش ہے کہ میں نے دو ماہ قبل دو عدد میری تازہ تصنیف "**عدد تین کی حیرت انگیز دنیا**" آپ کی خدمت میں روانہ کی تھی ہو سکے تو کرم فرما کر ماہنامہ اشرفیہ میں تبصرہ فرمادیں۔شکریہ!

بشرط یاد عزیز ملت مد ظلہ العالی کی خدمت مبارک میں سلام پیش کر کے دعا کی درخواست فرمادیں عین نوازش ہوگی۔ خادم اہلسنت

از: محمد علی قاضی، مصباحی، جمالی، نوری، ایم اے
Cell.9448063144

گفتگو، کب، کیوں اور کیسے؟

مکرمی!محض گالی گلوچ اور بازاری گفتگو ہمارے دلائل کو کہیں نہ کہیں متاثر کرتی ہے فریق مخالف اور ایک تذبذب کے شکار انسان کے ذہن پر منفی اثرات مرتب کر سکتی ہے؛

آپ اس نکتہ کو فراموش نہیں کر سکتے کہ اللہ پاک نے حضرت موسی وہارون علیہما السلام سے فرمایا. فرعون سے نرم (لہجہ میں) بات کرنا. سورہ طہ

ہمیں اپنے لہجوں سے جذبۂ انتقام نکال کر جذبہء اصلاح شامل کرنا چاہیے کہ ہمارے سخت لہجے کی وجہ سے فریق مخالف مزید متشدد ہو گیا تو اس میں ہمارا محاسبہ بھی ہو سکتا ہے بروز قیامت؛

فتنہ پروروں کا ایک معقول علاج یہ بھی ہے کہ انہیں زیادہ منہ نہ لگایا جائے ایسے لوگ خود ہی اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں تو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی بدزبانی دراصل آپ کے مخالف ہی کے لیے فائدہ کا سودہ ثابت ہوتی ہے

جی اتنا ضرور ہے کہ ان کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کے منصفانہ جوابات دیے جائیں اور یہ کام اہل علم کا ہے وہ اس پر توجہ دیں اور توجہ دیتے بھی ہیں لہذا علما کے معاملات اپنے ہاتھ میں لینا قطعًا درست نہیں؛؛؛؛

خاکسار ان ارباب علم سے بھی دست بستہ ملتجی ہے جو کسی حساس مسئلے پر کنفیوژن کا شکار ہیں تو خدا کے لیے اس مسئلے کو. فیس بک. پر نہ لائیں فیس بک پر ہر مسئلہ نہیں سلجھایا جاسکتا اگر فیس بک ہی ہر مسئلے کا حل تلاش کر سکتا ہے تو میں بھی اہل افتا سے گذارش کروں گا کہ وہ مدارس بند کر دیں اور رات دن فیس بک سے چمٹ جائیں کیوں ٹھیک ہے نہ؟؟

کتنی بہتر صورت ہے کہ آپ اپنے سوالات مرتب کریں ساتھ ہی اپنے شبہات رکھیں اور بھیجیں تمام مدارس اہل سنت کو (کاش یہ بات بے دال کے بودم بھی سمجھ جائیں)

یہاں مفتیان عظام سے بھی دست بستہ عرض گزار ہوں کہ کسی اہم اور خاص طور پر مسئلۂ ضلالت وتکفیر پر باہمی مشاورت کے بعد ہی کوئی حکم شرعی نافذ فرمائیں کہ اس طرح آپ کے جوابات میں مزید قوت اور وزن محسوس کیا جائے گا؛

آج کی تحریر مولانا لقمان شاہد صاحب کے اس قول پر ختم کرتا ہوں؛قدم اور قلم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے

کونسی بات کب کہاں کیسے کہی جاتی ہے
ہو سلیقہ تو ہر اک بات سنی جاتی ہے

از: توصیف رضا مصباحی سنبھلی

روداد چمن

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں
عظیم الشان مسابقہ تجوید وقرات کا انعقاد

یکم مارچ ۲۰۱۸ء جمعرات کی شب میں ملک کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ میں شعبہ تجوید وقرات کی جانب سے ایک تاریخی بین مدارس مسابقہ تجوید وقرات منعقد ہوا، جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے استاذ القراء حضرت مولانا قاری احمد جمال عزیزی شیخ التجوید جامعہ امجدیہ، گھوسی نے شرکت فرمائی، اجلاس کی صدارت صدرالعلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ کر رہے تھے، جب کہ جامعہ کے سابق استاذ حضرت قاری ابوالحسن مصباحی، مبارک پوری اور حضرت قاری مقری لئیق احمد پرنسپل مدرسہ فیض العلوم فتح پور، یوپی پروگرام کو جج کر رہے تھے۔ یہ عظیم الشان مسابقہ قرآن کریم بروایت حفص وقرأت سبعہ کا تھا جس میں نصف قرآن کا مسابقہ قرأت جمع حرفی میں پیش کیا گیا، یہ اپنی نوعیت کا منفرد المثال مقابلہ تھا جس میں طلبہ نے جوش وخروش سے حصہ لیا، کافی تعداد میں طلبہ جامعہ شریک اور اخیر تک اس خوب صورت پروگرام کو سنتے اور محظوظ ہوتے رہے۔ پہلے راؤنڈ میں ترتیل قرآن بروایت حفص کے شرکا نے اپنے فن اور مسائل تجوید سے آگاہی کا مظاہرہ کیا، پھر قرات سبعہ کے شرکا نے حصہ لیا، انھیں ترتیل کے ساتھ فن تجوید کے سوالات کے بھی جواب دینے رہتے تھے جو اسی وقت ان سے پوچھے جاتے تھے۔ قرات حفص میں آٹھ اور سبعہ میں سات منتخب بچوں نے حصہ لیا تھا۔

یہ مسابقہ رات ساڑھے بارہ بجے تک چلتا رہا، پروگرام کے روح رواں جامعہ کے استاذ حضرت مولانا قاری محمد رضا قادری ناظم اجلاس بھی تھے اور آگنائزر بھی، مزید انتظامات جماعت رابعہ کے باذوق طلبہ انتہائی ذمہ داری کے ساتھ دیکھ رہے تھے، اختتام پر قاری محمد لئیق قادری نے اپنا تاثر پیش فرمایا۔ ناظم تعلیمات علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا کہ ”عام طور پر یہ شکایت پائی جارہی ہے کہ تجوید وقرات کی جانب کماحقہ توجہ نہیں دی جارہی ہے، طلبہ کو بھی اس فن سے دل چسپی نہیں اور ارباب مدارس واساتذہ بھی اس میدان میں جیسی کوشش ہونی چاہیے نہیں کرتے، لیکن اب میں چند برسوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اس سلسلے میں نمایاں تبدیلی آئی ہے اور قرات کے سلسلے میں ہمارے قرا، مدرسین اور احباب متوجہ ہوئے ہیں جس سے کافی فرق آیا ہے، انھوں نے کہا کہ اس سلسلے میں مزید کوشش ہونی چاہیے اور قرات سبعہ وعشرہ کے ماہرین بھی پیدا ہونے چاہئیں تاکہ یہ جو امت پر فرض کفایہ ہے وہ ادا ہوجائے۔“ اخیر میں جامعہ کے استاد حضرت مفتی زاہد علی سلامی نے اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کرنے والے فاتحین کے ناموں کا اعلان فرمایا۔

قرات حفص میں قاری صداقت علی درجہ سادسہ جامعہ اشرفیہ (انعام: تفسیر در منثور، ۶ جلدیں)، قاری انوار احمد، مدرسہ احسان العلوم، گھوسی (سیرت ضیاء النبی، ۷ جلدیں) اور قاری تنویر رضا درجہ خامسہ (تفسیر ضیاء القرآن، ۵ جلدیں) نے علی الترتیب اول دوم سوم پوزیشن پائی اور قرات سبعہ میں قاری محمد عمران درجہ سادسہ (شرح صحیح مسلم، ۷ جلدیں)، قاری محمد اختر رضا درجہ سادسہ (نزہۃ القاری شرح بخاری، ۹ جلدیں)، اور قاری عرفان عالم درجہ رابعہ (مرأۃ المناجیح ، ۸ جلدیں) نے علی الترتیب اول دوم سوم مقام حاصل کیا، فاتحین کو مہمانان خصوصی اور ناظم تعلیمات علامہ محمد احمد مصباحی کے ہاتھوں گراں قدر انعامات کتابوں کی شکل میں مع سندِ امتیاز دیے گئے۔ بقیہ تمام شرکاے مسابقہ کو ترغیبی انعام سے نوازا گیا۔

اساتذہ جامعہ میں مولانا عبدالحق مصباحی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مفتی بدر عالم مصباحی، مفتی محمد نسیم مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا دستگیر عالم مصباحی، مولانا عرفان عالم مصباحی، مولانا حبیب اللہ ازہری، مولانا توفیق احسن برکاتی، مولانا محمد اشرف القادری، مولانا اظہار النبی حسینی، مولانا محمد سعید رضا، مولانا شہروز عالم مصباحی، مولانا ارشاد احمد مصباحی، حافظ عبدالقیوم برکاتی، مولانا رئیس اختر مصباحی، مولانا عبدالرحمن مصباحی، مولانا رقیب سنجر مصباحی، مولانا ذیشان مصباحی، مولانا رضوان مصباحی اور قاری نذیر مبارک پوری موجود تھے۔

از: رحمت اللہ مصباحی، انقلاب، نمائندہ روزنامہ انقلاب

امبیڈ کر نگر میں
ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں
مولانا محمد یوسف صاحب
پرنسپل جامعہ اظہار العلوم
نیا بازار، جہانگیر گنج، امبیڈکر نگر (یوپی)

خیر و خبر

پورٹ بلیئر جزائر انڈمان نکوبار میں حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کا عرس

مجاہد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی کو ان کے ۱۵۷ویں یوم وفات کی مناسبت سے جزائر انڈمان نکوبار کی راجدھانی پورٹ بلیئر میں ایک عظیم الشان عرس کی تقریب میں یاد کیا گیا۔ تقریب میں انڈمان کے علاوہ یوپی، کرناٹک اور کیرل سے معروف دینی و علمی شخصیات نے شرکت کی۔ مرکز فضل حق اکیڈمی انڈمان کے بینر تلے پورٹ بلیئر میں واقع نیتاجی کلب میں سامعین کے جم غفیر میں گزشتہ ۱۲ فروری کی شام یہ تقریب منعقد ہوئی۔

پروگرام کا آغاز ایک طالب علم محمد سنان کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ مولانا فیروس ثقافی ازہری (ناظم امور 'مرکز فضل حق اکیڈمی انڈمان') نے استقبالیہ کلمات ادا کیے۔

مقرر خصوصی کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے استاد اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ مولانا مبارک حسین مصباحی تشریف لائے تھے۔ حضرت مصباحی صاحب بریلی شریف میں حضرت تاج الشریعہ کے خلیفہ اور کچھوچھہ مقدسہ میں شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ کے خلیفہ ہیں۔ انہوں نے اپنے خطاب میں شیخ طریقت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے بیان کیا کہ علامہ خیرآبادی مختلف علوم وفنون میں مہارت اور صفت قیادت کی خوبی کے ساتھ فن شاعری اور منطق و فلسفہ کے بھی اپنے وقت کے بہت بڑے امام تھے، انہوں نے علامہ کے فتوی جہاد کو ان کی قیادت اور نمایاں کارنامے کی ایک مثال قرار دیا۔

حضرت مولانا مصباحی نے مزید فرمایا کہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی شخصیت و فکر پر ہم نے بہت کچھ پڑھا اور لکھا ہے، برسوں کی آرزو کے بعد جب ہم ان کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے تو روح تازہ ہوگئی، ان کے مزار کے پہلو میں ایک بڑا درخت ہے، اس کی جڑیں اندر سے مزار کی طرف نہ جاکر مختلف سمت میں مڑگئی ہیں، یہ آپ کی زندہ کرامت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت معقولات کے دور میں تھے، مگر آپ تقویٰ اور پرہیزگاری میں بھی ایک عظیم چشتی بزرگ کے مرید اور ایک بزرگ کے خلیفہ تھے۔ آپ سخاوت کے دریا اور پارسائی میں بھی بڑی اہمیت رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آج پورٹ بلیئر کی سرزمین بلاتفریق مذہب وملت ان کے دیوانے مزارِ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں۔

مہمان خصوصی کی حیثیت سے کیرلا کے نامور عالم دین بدر السعادات سید ابراہیم خلیل البخاری (بانی وسربراہ اعلی معدن اکیڈمی) مدعو تھے۔ انہوں نے علامہ خیرآبادی کی روحانی شخصیت کو اجاگر کیا اور انڈمان کے لوگوں کو ان سے ظاہری وباطنی تعلقات وابستہ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ بیجاپور کرناٹک سے تشریف لائے معروف نعت گو حنیف رضا قادری نے نعتیہ کلام سے سامعین کے دلوں کو عشقِ رسول کے جذبات سے لبریز کیا۔

مولانا حمزہ کٹی ثقافی ازہری نے سامعین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ علامہ خیرآبادی کے مشن کو ساری دنیا میں عام کرنا ہے اور مرکز فضل حق اکیڈمی انڈمان اسی مشن کا ایک حصہ ہے جس کی بنیاد کیرلا کے معروف عالم دین شیخ ابوبکر احمد نے ۲۰۰۶ء میں ڈالی اور فی الوقت اس کی شاخیں انڈمان کے مختلف علاقوں میں ہیں۔

تقریب کے کنوینر مولانا عبدالرحیم ثمر مصباحی نے اپنی تقریر میں کہا کہ جزائر انڈمان نکوبار کے باشندوں کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے علامہ فضل حق خیرآبادی کی آخری آرامگاہ کے طور پر انڈمان کو منتخب فرمایا جن کا مزار بلا تفریق مذہب وملت مرجع خلائق ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان بزرگوں کا روحانی فیض ہے کہ اب تک یہاں آپسی اتحاد و اتفاق اور بھائی چارگی کا ماحول قائم ہے اور امید ہے کہ آئندہ بھی ایسا ہی رہے گا۔

تقریب کا اختتام صلاۃ وسلام اور سید ابراہیم خلیل البخاری کی دعا پر ہوا۔ یہ انڈمان کی تاریخ کا پہلا عرس تھا جس میں اتنی بڑی تعداد میں عوام نے شرکت کی اور سنی اسٹوڈنٹس فیڈریشن (SSF) کے نوجوانوں نے رضا کار کی خدمت سے بغیر کسی ہنگامہ آرائی کے اس تقریب کا نظم وضبط سنبھالا۔

تقریب میں حنفی اور شافعی علما کی خاصی تعداد تھی جن میں سید عبد الحکیم ، مولانا صالح ثقافی ، مولانا خالد ثقافی ، مولانا عبد القادر سعدی ، مولانا علی ثقافی ، مولانا سعد الدین ثقافی ، مولانا عبد القادر ثقافی ، مولانا ثمیر ثقافی ، مولانا نوفل احسنی ، مولانا عمر ثقافی ، مولانا محی الدین ثقافی ، مولانا شعیب مسلیار ، حافظ معین الدین سعدی ، حافظ صغیر احمد ، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

از: عبدالرحیم ثمر مصباحی

خادم مدرسہ عین الھدی دلانی پور، پورٹ بلیئر انڈمان

لال چوک مبارک پور میں جشن میلاد النبی ﷺ

نعتیہ پروگرام

مبارک پور، اعظم گڑھ: نوجوانان کمیٹی لال چوک محلہ پرانی بستی کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان نعتیہ پروگرام بسلسلہ جشن میلاد النبی کا انعقاد کیا گیا جس میں قرعہ اندازی کے ذریعہ جہاں چار خوش نصیب افراد کو عمرہ کرنے کے اعزاز سے نوازا گیا وہیں پروگرام میں شریک تمام انجمنوں اور نعت گو شعرا خصوصی انعام سے سرفراز کیا گیا۔ ساتھ ہی پروگرام کے مہمان خصوصی ڈاکٹر انور امیر الدین انصاری ممبئی سپاس نامہ اور سند اعزاز سے نوازا گیا۔ پروگرام کی صدارت نبیرۂ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی استاذ جامعہ اشرفیہ اور نظامت اکرم جلال پوری نے کی۔ پروگرام کا آغاز حافظ جمال ہاشم کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا بعدہ انجمن غوثیہ پرانی بستی، فیضان مصطفےٰ پورہ دیوان، تنظیم ادب کٹرہ، رحمانیہ پرانی بستی، فیضان مصطفےٰ نوادہ، گلزار مصطفےٰ خیر آباد، تنویر الاسلام نیا پورہ، مظلومیہ پورہ خضر، اسلامیہ لال چوک، تاجدار حرم پورہ دلہن، ملت اسلامیہ پورہ صوفی، چراغ اسلام محمد آباد، فیض عام پورہ رانی، عزیزیہ پورہ صوفی، اخلاقیہ حیدر آباد اور فیضان عزیزی پورہ خواجہ نے بارگاہ رسالت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ واضح رہے کہ اس موقع پر انعامات واعزازات کے لئے تین زمرے بنائے گئے تھے جس میں ایک زمرہ انجمنوں کا تھا، دوسرا حافظ قرآن اور تیسرا سوال وجواب پر مشتمل عوام کے مخصوص تھا۔ نعت خوانی کے بعد قرعہ اندازی سہارا لیا گیا جس میں انجمنوں کے زمرے میں انجمن مظلومیہ پورہ خضر سے محمد ارشد ابن نجیب الحسن پورہ خضر، حافظ قرآن کے زمرے میں حافظ معین الدین ابن حافظ خلیل احمد عزیز نگر اور سوال وجواب کے زمرے میں محمد کاشف رضا ابن محمد ذہین پورہ رانی کی قسمت کا تالا کھل گیا اور انھیں زیارت حرمین شریفین کا پروانہ مل گیا اسی کے ساتھ صدر پروگرام مولانا نعیم الدین عزیزی کو خصوصی طور پر میزبان کمیٹی کی جانب سے حرمین شریفین کی زیارت کے اعزاز سرفراز کر دیا گیا۔ ساتھ ہی پروگرام میں شریک سبھی سولہ انجمنوں اور ان کے لئے نعت لکھنے والے شعرائے کرام کو بھی انعام واکرم سے سرفراز کیا گیا۔ یہ پروگرام بعد نماز عشا شروع ہو کر علی الصباح چار بجے تک چلتا رہا جس میں عاشقان رسول کا ایک جم غفیر شریک رہا پروگرام کا اختتام صلوۃ وسلام اور دعا پر ہوا۔

اس موقع پر الجامعۃ الاشرفیہ کے ناظم اعلیٰ حاجی سرفراز احمد، سنٹرل پبلک اسکول کے منیجر ایاز احمد خاں، حاجی محمد مظہر انصاری، حاجی عبد المقتدر انصاری ، حاجی سلیمان شمسی، مولانا طفیل احمد مصباحی، حاجی محمود اختر نعمانی، حاجی مختار احمد علیگ، حاجی مہدی حسن پردھان، مولانا محبوب عزیزی، حاجی نور الحق، رضوان احمد کٹروی، حاجی حبیب الرحمن، بشیر عالم آسوی، جاوید احمد، اظہر آسوی، شمیم اختر عرف گڈو، نسیم احمد، لیاقت حسین وغیرہ موجود تھے۔ از: رحمت اللہ مصباحی

سرزمین آمیر، جے پور میں عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ

دار العلوم فیضان الاولیا و مدرسۃ البنات میں عرس حافظ ملت منایا گیا جس کی سرپرستی عطاے حافظ ملت حضرت حافظ و قاری احترام عالم عزیزی مصباحی نے فرمائی۔ مدرسہ ہذا کے تمام طلبہ وطالبات نے اپنے اپنے طور پر بارگاہ حافظ ملت میں خراج عقیدت پیش کیا، اس کے بعد حافظ محمد افسر نے منقبت کے چند اشعار پیش کیے اور مولانا عبد الوحید مصباحی نے سوانح حافظ ملت پر جامع خطاب فرمایا، صلاۃ وسلام کے بعد حضرت قاری احترام عالم کی دعاؤں پر اختتام ہوا۔

اس محفل میں قاری محمد معراج، قاری شہنواز، محمد حسین علیمی، مولانا شہاب الدین، حافظ محمد اقبال، حاجی ایوب، حافظ محمد امانت وغیرہ خصوصی طور پر شریک تھے۔ از: حافظ محمد افسر، متعلم دار العلوم ہذا

عرس چہلم حافظ محمد عنایت رسول رضوی

آج بتاریخ ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء بروز اتوار خلیفۂ قطب مدینہ حضرت الحاج حافظ محمد عنایت رسول رضوی علیہ الرحمہ کے عرس چہلم میں کثیر تعداد میں مشائخ وعلمانے شرکت فرمائی اور ایک صوفی باصفا کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ عرس کا آغاز الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام ہدایت نگر میں مولانا قاری محمد امانت رسول رضوی کی سرپرستی میں حضرت قاری عبد الحسیب رضوی مصباحی کانپوری کی تلاوت سے ہوا۔

اس کے بعد ادارہ کے طلبہ نے بڑے عمدہ انداز میں خراج عقیدت پیش کیا۔ بلال رضا امانتی اتراکھنڈ اور فیضان رضا امانتی بمن پوری نے بھی اپنے کلام سے نوازا۔ حضرت مولانا تطہیر احمد رضوی نے ایک مدلل خطاب پیش کیا۔ اس کے بعد مولانا قاری عاشق رضا مدنی نے اپنے کلام سے محفل کو محظوظ کیا، حضرت مولانا احمد رضا منظری کا بڑا پُر مغز خطاب ہوا۔

مولانا محمد قاسم رضا رضوی مصباحی اور مولانا مفتی محمد ناظم رضوی مصباحی بریلوی نے اپنے خسر محترم حضرت حافظ صاحب کے اوصاف و فضائل پرہیزگاری عبادت گزاری پر روشنی ڈالی۔ آخر میں خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند حضرت قاری محمد امانت رسول رضوی نے مجمع عام سے مخصوص لب ولہجہ میں خطاب فرمایا۔ قل شریف ہوا۔ مولوی الحاج قاری رضائے رسول صاحب کی مرتب کردہ مختصر سوانح حضرت حافظ عنایت رسول علیہ الرحمہ تمام حاضرین کو تقسیم کی گئی۔ از: محمد عاشق رضا امانتی، پیلی بھیت شریف

تنظیم حسان رسول مشن پرانی بستی لال کنواں کے زیر اہتمام عظیم الشان ۱۵واں سالانہ نعتیہ پروگرام

مبارک پور، اعظم گڑھ: تنظیم حسان رسول مشن کے زیر اہتمام محلہ پرانی

بستی لال کنواں کے وسیع صحن میں ۱۵واں سالانہ عظیم الشان نعتیہ تقریب کا انعقاد ہوا جس میں قرعہ اندازی کے ذریعہ انجمن مظہر حق علی نگر کے رکن طفیل احمد کوحج کے لئے دو لاکھ ایک ہزار روپے کا نقد انعام دیا گیا نیز نبیرۂ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی کی اہلیہ کو عمرہ کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔اس کے علاوہ شریک دیگر انجمنوں اور انکا کلام لکھنے والے شعرا کو اجمیر شریف کی زیارت کے لئے آمد و رفت کے خرچ سے نوازا گیا۔جبکہ الجامعۃ الاشرفیہ کے ناظم تعلیمات صدر العلما خیر الاذکیہ علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کو حافظ ملت ایوارڈ و دیگر تحائف اور اشرفیہ انٹر کالج میں درجہ ۶ سے انٹر تک ان طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا جنھوں گزشتہ امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔مذکورہ پروگرام میں انجمن اسلامیہ لال چوک، انجمن اخلاقیہ حیدرآباد، انجمن مظہر حق علی نگر، انجمن غنچۂ ہاشمیہ پورہ صوفی، انجمن تنویر الاسلام نیا پورہ، انجمن فیضان مصطفی ابراہیم پور، انجمن فیض عام پورہ رانی، انجمن ملت اسلامیہ پورہ صوفی، انجمن گلزار مصطفی خیرآباد، انجمن تنظیم ادب کٹرہ، انجمن مظلومیہ بڑی ارجنٹی، انجمن رحمانیہ پرانی بستی، انجمن تاریخ اسلام محمد آباد نے بارگاہ رسالت مآب میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔پروگرام کی سرپرستی محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ وصدر شعبۂ افتا، قیادت شہزادۂ حضو عزیز ملت مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ ،صدارت استاذ الشعراء الحاج شاہد حسن شاہد مبارکپوری اور نظامت مولانا قیصر اعظمی نے کی۔

اس موقع پر مفتی عبد الحق مصباحی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مفتی زاہد علی سلامی، حاجی اسرار الحسن ،فیروز انور ایڈوکیٹ، سلطان علی، محمد قحافہ، حاجی محمود اختر نعمانی، حاجی سلیمان اختر شمسی، مرزا مسیح الدین بیگ، یونین بینک کے ڈی جی ایم ریجنل آفس اعظم گڑھ لقمان علی خان، حاجی مظہر علی انصاری، حاجی شکیل احمد سہارا، حاجی قمر الحق، مولانا محمد اسلم مصباحی، رضوان احمد کٹروی، حاجی مہدی حسن پردھان، محمد اظہر نور اعظمی بیورو چیف روزنامہ ہمارا سماج علی گڑھ، محمد معظم وغیرہ خاص طور سے موجود تھے۔

از: محمد رحمت اللہ مصباحی نمائندہ روزنامہ انقلاب مبارک پور

قاری محمد اسلم ضیائی کے ایصال ثواب کے لیے تعزیتی تقریب

جامعہ غوثیہ احسن العلوم قصائی چوراہا اناؤ کے استاذ نوجوان قاری محمد اسلم ضیائی کے انتقال پر مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج میں ایک تعزیتی تقریب منعقد ہوئی ۔ ادارہ کے صدر المدرسین قاری ذاکر علی قادری نے اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قاری محمد اسلم ضیائی بہترین حافظ اور خوش الحان قاری ہونے کے ساتھ نیک خصلت انسان تھے۔وہ فن تجوید وقرأت اور خدمت قرآن کے جذبہ سے سرشار تھے۔ان کا اچانک انتقال ملت اسلامیہ کے لئے عظیم خسارہ ہے۔اللہ رب العزت مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔واضح رہے کہ قاری محمد اسلم ضیائی مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن سے اگست ۲۰۰۹ء میں فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ نعیمیہ آفتاب رسول مصرولیہ شراوستی میں درس وتدریس سے منسلک ہوئے ۔اس کے بعد تقریبًا پانچ سال سے جامعہ غوثیہ احسن العلوم اناؤ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے جہاں ۱۵/ فروری کی شب ان کی اچانک طبیعت ناساز ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے، عمر ۳۰/ برس تھی۔آپ کا جسد خاکی اناؤ سے آبائی وطن چند ہی پور ضلع بہرائچ شریف لے جایا گیا۔۱۵/ فروری بعد نماز ظہر تدفین عمل میں آئی۔ان کی نماز جنازہ قاری ذاکر علی قادری لکھنوی نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں بطور خاص مولانا شیر محمد رضوی، مولانا محمد اشتیاق اناؤ، قاری محمد ظفیر رضوی، قاری تبریز عالم قادری، قاری اشرف رضا، قاری عبد الہادی، قاری محمد ظہیر طائی، قاری امان المصطفیٰ قادری اور دیگر بہت سے علمائے کرام وقرائے عظام اور کثیر تعداد میں سوگواروں نے شرکت کی۔

از: محمد عرفان قادری

استاذ دار العلوم حنفیہ ضیاء القرآن، شاہی مسجد بڑا چاند گنج، لکھنؤ

حضرت مفتی بلال احمد نوری کے لیے تعزیتی نشست

خلیفۂ سرکار مفتی اعظم ہند، استاذ العلما، حضرت مفتی بلال احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ۱۱/ فروری ۱۸ء بروز اتوار صبح ساڑھے دس بجے ،جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ نیا نگر میرا روڈ ممبئی میں، مفسر قرآن حضرت مولانا محمد مثنیٰ اشرفی اور ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی صدارت میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی ،سب سے پہلے جامعہ کے طلبہ واساتذہ نے قرآن خوانی کی، قاری نواب علی نوری کی تلاوت سے مجلس کا آغاز ہوا، طلبہ نے نعت و منقبت پیش کی، بانی ادارہ مولانا محمد اختر علی واجد القادری نے ابتدائی بیان میں بتایا کہ حضرت مفتی بلال احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲۸ء میں بنگواں بستی، ضلع پورنیہ، بہار میں پیدا ہوئے ،ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، بحر العلوم حضرت سید افضل حسین مونگری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، حضرت علامہ سلیمان اشرفی بھاگلپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہم اجلہ علما وفقہا سے علم حاصل کیا، ۱۹۵۳ء میں دار العلوم مظہر اسلام سے فراغت حاصل کی۔

اخیر میں جامعہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا حکیم محمد نذیر احمد رضوی نے صلاۃ وسلام پڑھا۔ قائد اجلاس حضرت مولانا محمد مثنی اشرفی نے دعا فرمائی، اس تعزیتی نشست میں مولانا محمد افتخار عالم قمر بھاگلپوری ، مولانا عطاء الرحمٰن رضوی خطیب وامام فیضان غریب نواز مسجد ،حافظ وقاری محمد اشفاق عالم،، مولانا محمد محمود عالم، مولانا منظور عالم، مولانا نذیر الاسلام اشرفی، مولانا مظہر حسین سعدی ، قاری نواب علی نوری، قاری وسیم رضا رضوی، قاری نور نواز، قاری ابو الکلام نوری ،مولانا جلیس رضا نظامی دار العلوم فیضان شمسیہ وغیرہ نے شرکت کی۔

فاروقیہ بک ڈپو کی خصوصی پیش کش

خوشخبری

الحمدللہ! ہندوستان میں پہلی بار اردو ترجمے کے ساتھ

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور حاشیہ

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲

فتاوی شامی

رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار

قیمت -/9600

علم و آگہی سے بھرپور ❁ فہم و دانش سے معمور ❁ علوم و معارف سے لبریز

خصوصیات

- اردو میں عربی کے ساتھ پہلا سلیس اور رواں ترجمہ۔
- مذہب حنفی کے اصول و قواعد کا ضخیم انسائیکلو پیڈیا۔
- فقہ حنفی میں فتوی و افتا کا بنیادی ماخذ۔
- تمام مذاہب فقہ میں یکساں مقبول۔
- فتوی نویسی میں طلبہ کیلئے بہترین گائیڈ۔
- فقہ و افتا میں تخصص کرنے والوں کے لئے وقیع فقہی ذخیرہ۔
- مدارس، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ و اساتذہ کی ضرورت۔
- ایک ایسا فتاوی جس میں ہر مسئلہ کا مدلل و شافی شرعی حل ہے۔
- شرعی و قانونی موشگافیوں کے حل میں علماء کرام کا رہنما۔
- مدرسین اور مفتیان عظام کے لئے لاجواب تحفہ

بکنگ کے لئے رابطہ کریں

FAROOQIA BOOK DEPOT Whatsapp No. 9718901005

422/c Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-06, Ph. 011-23266053, 23267199, E-mail : farooqiabookdepot@gmail.com

Bank: State Bank of India, Farooqia Book Depot, A/C No. 31497170850 Branch Code-02366 Jama Masjid, Delhi